درسِ آیاتِ احکام

تراویح کے بعد درس کے لیے ہر پارے سے تین احکام کا

انمول اور دلچسپ سلسلہ

NIDA.E.QURAN
ندائے قرآن سنٹر

مفتی محمد شکیل

فاضل و متخصص فی الافتاء جامعہ مخزن العلوم عید گاہ خان پور

0306 7656903

پارہ نمبر: 1 الٓمٓ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے"۔

① بسم اللہ کے احکام

دینِ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ ہر اچھے، جائز اور نیک کام کی ابتدا اللہ رب العزت کے نام سے ہو، اس سے خیر و برکت بھی حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت بھی ملتی ہے اور حفاظت بھی ہوتی ہے اور بسم اللہ کہنے سے شیطان بھی ذلیل ہوتا ہے۔

بسم اللہ کی اہمیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

أَغْلِقْ بَابَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا، وَأَطْفِ مِصْبَاحَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ، وَخَمِّرْ إِنَاءَكَ وَلَوْ بِعُودٍ تَعْرِضُهُ عَلَيْهِ وَاذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ، وَأَوْكِ سِقَاءَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ۔[1]

دروازہ بند کرو تو اللہ کا نام لو، بے شیطان بند دروازے کو نہیں کھول سکتا (جسے اللہ کا نام لے کر بند کیا گیا ہو)۔ دیا بجھاؤ تو اللہ کا نام لیا کرو، اپنے برتن ڈھانک دیا کرو، اگر برتن ڈھانکنے کے لیے اور کوئی چیز نہ ملے تو اپنے برتن پر چوڑائی کے رخ ایک لکڑی ہی رکھ دو اور اللہ کا نام لے لو اور اپنی مشک (پانی کا برتن) کا منہ باندھو تو اللہ کا نام لیا کرو۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 سنن أبي داود.بَابٌ فِي إِيكَاءِ الْآنِيَةِ.رقم الحديث: 3731

بسم اللہ کی برکت کا ایک واقعہ

اس کی برکت کو بیان کرتے ہوئے ابو الملیح ایک صحابی سے بیان کرتے ہیں کہ میں گدھے پر نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا، گدھا ذرا پھسلا تو میں نے کہا، شیطان کا برا ہو، تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو، کیوں کہ اس سے شیطان پھول جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت کے ساتھ اسے گرایا ہے، سو اگر تم "بسم اللہ" کہو تو اس سے شیطان اپنے آپ کو نہایت چھوٹا اور حقیر سمجھتا ہے، یہاں تک کہ مکھی سے بھی زیادہ چھوٹا اور زیادہ حقیر سمجھتا ہے"۔

یہ بسم اللہ کی برکت کی تاثیر ہے، لہذا ہر اچھی بات اور اچھے کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔[1] اور بچوں کو بھی ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

✹ جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنے کا حکم

جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے، خواہ وہ قربانی کا جانور ہو یا عام جانور، اس کے بغیر ذبح شرعی متحقق نہ ہو گا اور جانور حلال نہ ہو گا، اور مستحب یہ ہے کہ "بسم اللہ اَللہ اَکبر" کہہ کر جانور ذبح کیا جائے۔ البتہ بلند آواز سے بسم اللہ کہنا ضروری نہیں، صرف اتنی آواز سے کہنا کافی

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] فهذا من تأثير بركة بسم الله .ولهذا تستحب في اول كل عمل و قول (ذي بال)فتستحب في اول الخطبة...وتستحب عند دخول الخلاء ..وتستحب في اول الوضوء ....وتستحب عند الا كل ....و كذالك تستحب عند الجماع...احکام القرآن للتھانوی،ج:1ص:4

ہے کہ آدمی خود سن لے۔[1] اور اگر کسی نے جانور ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر اللہ کا نام نہیں لیا تو ذبیحہ حلال نہ ہو گا بلکہ حرام و مردار ہو جائے گا۔[2]

✹ ذبح میں مدد کرنے والے کے لیے بسم اللہ پڑھنے کا حکم

اگر دو شخص مل کر جانور ذبح کریں کہ ایک نے آدھا ذبح کیا اور آدھا دوسرے نے، یا ایک شخص دوسرے شخص کی ذبح کرنے میں مدد کر رہا ہو اس طرح کہ ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر چھری چلائے اور دونوں کی قوت سے جانور ذبح ہو تو ایسی صورت میں دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، اگر ایک نے بھی جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دی تو جانور حلال نہ ہو گا۔[3]

اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ قصاب قربانی کے وقت جانور کی تین رگیں کٹنے سے پہلے ہی چھری ذبح کرنے والے کے ہاتھ سے لے کر گردن پر چلانے لگتا ہے یا ذابح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یا ساتھ میں چھری پکڑ کر سہارا دیتا ہے، اگر وہ جان بوجھ کر بغیر بسم اللہ پڑھے ایسا کرے یا یہ سمجھے کہ پہلے چھری چلانے والے کا بسم اللہ پڑھنا کافی ہے تو جانور کا کھانا حرام ہے۔[4]

---------------------حواشی اور حوالہ جات---------------------

[1] (قَوْلُهُ وَيَجْرِي ذَلِكَ الْمَذْكُورُ) يَعْنِي كَوْنَ أَدْنَى مَا يَتَحَقَّقُ بِهِ الْكَلَامُ إسْمَاعُ نَفْسِهِ أَوْ مَنْ بِقُرْبِهِ۔۔۔رد المحتار ج:1ص:535، كِتَابُ الصَّلَاةِ،فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ

https://darulifta-deoband.com

[2] لَا تَحِلُّ ذَبِيحَةُ مَنْ تَعَمَّدَ تَرْكَ التَّسْمِيَةِ(رد المحتار،ج:6ص:699، كتاب الذبائح -- - - - -
۔وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ۔۔۔الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الذبائح،ج:6ڈ:301

[3] إذَا كَانَ الذَّابِحُ اثْنَيْنِ، فَلَوْ سَمَّى أَحَدُهُمَا وَتَرَكَ الثَّانِي عَمْدًا حُرِّمَ أَكْلُهُ۔رد المحتار على الدر المختار،ج:6ص:304

[4] وَفِيهَا أَرَادَ التَّضْحِيَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ مَعَ يَدِ الْقَصَّابِ فِي الذَّبْحِ وَأَعَانَهُ عَلَى الذَّبْحِ سَمَّى كُلٌّ وُجُوبًا، فَلَوْ تَرَكَهَا أَحَدُهُمَا أَوْ ظَنَّ أَنَّ تَسْمِيَةَ أَحَدِهِمَا تَكْفِي حُرِّمَتْ۔الدر المختار مع رد المحتار،ج:6ص:334

گوشت لینے میں احتیاط کریں

گوشت کسی معتبر آدمی سے لینا چاہیے جس کے بارے میں یقین ہو کہ یہ شرعی ذبح سے واقف ہوگا اور اس کے مطابق جانور اور مرغیاں ذبح کرتا ہوگا۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض لوگ غفلت کی وجہ سے بسم اللہ نہیں پڑھتے اور بعضوں کو جب کہا جاتا ہے کہ ہمارے سامنے مرغی ذبح کریں اور بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ "ہم سارا دن بسم اللہ ہی پڑھتے رہیں" صاف ظاہر ہے ایسے آدمی سے گوشت لینا اور اسے استعمال کرنا پس اگر حرام سے بچنا چاہتے ہیں احتیاط کریں۔

٢ موت کی تمنا کرنے کا حکم

یہود نسلی تفاخر میں مبتلا تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہونے کے دعوے دار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ ٱلدَّارُ ٱلْـَٔاخِرَةُ عِندَ ٱللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ ٱلنَّاسِ فَتَمَنَّوُا۟ ٱلْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٩٤﴾ [1]

آپ (ان سے) کہیے کہ: اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصوص ہے (جیسا کہ تمہارا کہنا ہے) تو موت کی تمنا تو کر کے دکھاؤ، اگر واقعی سچے ہو۔

اس آیت کے ضمن میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ موت کی تمنا کا کیا حکم ہے ؟اس کا جواب یہ ہے کہ مصیبت، بیماری، تنگ دستی، مصائب، آفات اور کسی بھی طرح کی دنیاوی پریشانیوں سے تنگ آکر موت کی تمنا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ بیماری و صحت، مصیبت وراحت، انسانی

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 البقرۃ [94]

زندگی کا لازمہ ہے، اور یہ سب تقدیر کا حصہ ہے، اور اس پر صبر کرنا، صبر کی قسموں میں داخل ہے، جس کے بدلے انسان کو اللہ رب العزت کی خوشنودی، اُس کی نیکیوں میں اضافہ اور آخرت میں درجات کی بلندی ملا کرتی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: لاَ يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ المَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ يَزْدَادُ، وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ۔[1]

" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے، اگر وہ نیک ہے تو ممکن ہے نیکی میں اور زیادہ بڑھ جائے اور اگر برا ہے تو ممکن ہے اس سے توبہ کر لے"۔

اور اگر پریشانی اور مصائب سے مجبور ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا ضروری ہو جائے تو اس طرح دعا کر سکتا ہے:

اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔[2]

"اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے اور اس وقت مجھے فوت کر دینا، جب میرے لیے وفات بہتر ہو"۔

اور اگر ایسے حالات ہو جائیں کہ دین پر چلنا دشوار ہو اور ہر طرف فتنے وفسادات عام ہوں، گناہ اور معصیتیں کھلم کھلا ہو رہی ہوں، اس حد تک کہ اس میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ان گناہوں میں پڑنے کے اندیشہ سے بچنے کی خاطر کوئی موت کی تمنا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج

---------------حواشی اور حوالہ جات---------------

1 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 7235

2 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 5671

نہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات اور آخرت کے اشتیاق میں موت کی تمنا کرنے میں بھی کوئی گناہ نہیں جیسا کہ اس آیت کریمہ میں موجود ہے۔[1]

۳ جادو کی حقیقت، حکم اور اس کے توڑ کے طریقے

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 102 میں سِحْرِ بَابِل کا ذکر ہے،اس کے تحت ہم جادو کی حقیقت، اس کے سیکھنے اور کرنے کا حکم اور اس کے توڑ کا طریقہ سمجھ لیتے ہیں:

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں سحر صرف ایسے عمل کو کہا گیا ہے جس میں کفر و شرک اور فسق وفجور اختیار کرکے جنات وشیاطین کو راضی کیا گیا ہو اور ان سے مدد لی گئی ہو ان کی امداد سے کچھ عجیب واقعات ظاہر ہوگئے ہوں، سحر بابل جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ یہی تھا۔[2] اور اسی سحر کو قرآن میں کفر قرار دیا گیا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا۔[3]

لمحہ فکریہ

بعض لوگ کسی سے دشمنی کی وجہ سے جادو جیسے خبیث افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اور بعض تعویذ وغیرہ کی وجہ سے دوسروں کے نقصان کے درپے رہتے ہیں اور اسی میں اپنی زندگی برباد کردیتے ہیں۔اس سے دوسروں کا کچھ جائے یا نہ جائے یہ لوگ تباہ ضرور ہو جاتے ہیں۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی،ج:1ص:36

2 معارف القرآن بحوالہ احکام القرآن للجصاص

واضح رہے کہ احکام القرآن للجصاص میں اسی آیت کریمہ کے تحت سحر بابل اوراس جیسے دوسرے سحر کے کفر ہونے کے کئی دلائل اسی آیت کریمہ سے ثابت کیے گئے ہیں،وہاں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

3 احکام القرآن،ج:1ص:48،معارف القرآن

جادو اور اس کے برے اثرات سے بچنے کا طریقہ

جادو یا سفلی علم کے شکار سے بچنے کے لیے سارے گھر والے کچھ بنیادی باتوں کا اہتمام کرلیں تو ان شاء اللہ محفوظ رہیں گے:

١ حتی الامکان پاکی کی حالت میں رہنے کا اہتمام کریں۔

٢ پنج وقتہ نمازوں کی پابندی، ان کی شرائط و احکام کی رعایت رکھ کر ادا کرنے کا اہتمام، جو درحقیقت خالق ومالک سے تعلق مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے، اور جب بندے کا تعلق اللہ سے مضبوط ہوتا ہے تو شیطان کا بس اس پر نہیں چلتا۔

٣ مکمل سورہ بقرہ معتدل آواز میں وقتاً فوقتاً گھر میں تلاوت کرنے کا اہتمام کریں۔

٤ صبح وشام کی حفاظت کی مسنون دعائیں پڑھنے کا اہتمام، (جو مختلف مستند علماءِ کرام نے جمع کرکے شائع کردی ہیں، کسی بھی دینی کتب خانے سے حاصل کی جاسکتی ہیں) نیز درج ذیل اذکار صبح وشام سات سات مرتبہ پابندی سے یقین کے ساتھ پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں تھتکار کر سر سے پیر تک اپنے پورے جسم پر پھیر دیں، ان شاء اللہ ہر قسم کے سحر، آسیب اور نظرِ بد کے اثراتِ بد سے حفاظت رہے گی:

درود شریف، سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورہ الم نشرح، سورہ کافرون، سورہ اخلاص، سورہ فلق، سورہ ناس اور درود شریف۔[1]

جادوگر سے دور رہیں

جادو کی حرمت پر تمام ائمہ کا اجماع ہے اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر 144212201817

وہ سحر کرتا ہے تو اس سے دور رہے اور اس کے ضرر سے بچنے کے لیے ممکنہ سعی کرے۔[1]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] دار الافتاء دار العلوم دیوبند، فتویٰ نمبر:1096

پارہ نمبر:2 سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

۱ فسادی اور فتنہ پرور کی توبہ کی شرائط

حق کو چھپا کر فتنہ وفساد برپا کرنے والوں پر اللہ رب العزت اور اس کی ساری مخلوق لعنت کرتی ہے۔ اگر وہ آدمی اس سے توبہ کرنا چاہے تو سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 160 میں اس کا طریقہ بیان کیا گیا ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ [1]

"ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کرلی ہو اور اپنی اصلاح کرلی ہو (اور چھپائی ہوئی باتوں کو کھول کھول کر بیان کردیا ہو تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرلیتا ہوں، اور اور میں تو بہت معاف کرنے والا مہربان ہوں"۔

اس آیت کریمہ میں توبہ کی تکمیل کی چند شرائط بیان کی گئی ہیں:

۱ تَابُوا : توبہ کرے یعنی اسے اپنے کیے پر شرمندگی ہو۔ [2]

۲ وَأَصْلَحُوا : اصلاح کرلے۔ جو فتنہ وفساد کیا تھا، اسے دور کرے۔ حق کو چھپانے کی وجہ سے خالق اور مخلوق کے جو حقوق تلف ہوئے ان کا تدارک کرے اور شکوک وشبہات ڈال کر جن

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 البقرۃ [160]

2 روح المعانی، ج:1ص:126، احکام القرآن للتھانوی، ج:1ص:99

لوگوں کو گمراہ کیا ان کے سامنے حق واضح کرے، غلط کو مٹادے اور صحیح کو اس کے قائم مقام کردے۔[1]

❸ وَبَيَّنُوا۟: صاف صاف بیان کردے۔ جو حق چھپایا تھا اس کو صاف صاف بیان کرے۔

ان امور کے اہتمام سے توبہ مکمل ہوگی، لعنت کی بجائے رحمت نازل ہوگی اور جن لوگوں نے اس کے گمراہ کرنے کی وجہ سے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے، ان کے گناہ سے بچ جائے گا۔[2]

یہ میڈیا کا زمانہ ہے اور بعض لوگ سستی شہرت کی خاطر علم دین سے عاری ہونے کے باوجود نت نئی تحقیقات پیش کرتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے خو بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِثْلُ أَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔[3]

"اگر کسی نے برائی کے کسی طریقے کو رواج دیا اور لوگوں نے اس کی اتباع کی تو اس کے لیے بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا اس کی اتباع کرنے والوں کے لیے اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی"۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 روح المعانی، ج:1ص:126، احکام القرآن للتھانوی، ج:1ص:99

2 تفسیر روح المعانی، ج:1ص:126، احکام القرآن للتھانوی، ج:1ص:99

3 سنن الترمذی، رقم الحدیث: 2675

۲ حالتِ حیض میں صحبت کرنے کا حکم

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَٱعْتَزِلُوا۟ ٱلنِّسَآءَ فِى ٱلْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۔[1]

"اور لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے لہٰذا حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت (یعنی جماع) نہ کرو"۔

بلوغت کے بعد عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے۔ حیض کے ایام میں مرد کے لیے عورت سے ہم بستری کرنا حرام ہے اور اس کے حرام ہونے کی وجہ قرآن کریم نے یہ بتائی ہے کہ حیض کا خون گندگی ہے۔

حالتِ حیض میں بیوی سے جماع کرنے سے جہاں انسان بہت بڑا گنہگار ہوتا ہے، وہاں بڑی بڑی بیماریوں میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم نے اسے گندگی سے تعبیر فرمایا ہے، اس میں کتنی گندگی ہے، اس کا کماحقہ ادراک تو کوئی نہیں کر سکتا، البتہ جدید ریسرچ سے جو کچھ سامنے آیا ہے، وہ آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر محیی الدین العلبی کا کہنا ہے:

- حالتِ حیض میں جماع اور ہم بستری کرنے کی بنا پر حیض کے خون میں شدت اور تیزی پیدا ہو جاتی ہے، کیوں کہ رحم کی رگیں دباؤ کا شکار اور رکیں ہوئی ہوتی ہیں، اس حالت میں جماع کرنے سے ان کا پھٹنا آسان ہو جاتا ہے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] البقرة [222]

❁ اندرونی پردے میں خراشیں پیدا ہونے لگتی ہیں جس کی بنا پر جلن اور خارش کے پیدا ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں جو رحم کے اندر بھی سوجن اور جلن پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں، اوراسی طرح مرد کے عضو تناسل میں بھی جلن اور خارش پیدا ہو سکتی ہے۔

❁ حائضہ عورت سے جماع کرنا خاوند اور بیوی کے مابین نفرت کا باعث بنتا ہے جس کا سبب گندے خون کی موجودگی اوراس کی بدبو ہے، جو ہو سکتا ہے مرد پر اثرانداز ہو اور اسے جنسی بیماری لگ جائے۔

حالتِ حیض میں ہمبستری سے لگنے والی بیماریاں

ڈاکٹر بار کی تحقیق کے مطابق : یہ اذیت اور گندگی یہاں تک ہی نہیں رہتی بلکہ رحم اور شرمگاہ سے لیکر رحم تک کی نالی میں بھی وہ جراثیم داخل ہو سکتے ہیں جن کا علاج کرنا بھی مشکل ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت ساری بیماریاں لگ سکتی ہیں:

❶ جلن اور سوجن رحم کے منہ تک پہنچ کر اسے بند کر دیتی ہے، جو کہ بعض اوقات بانجھ پن تک لے جاتی ہے اور یا پھر رحم کے باہر ہی حمل ہو جاتا ہے، ایسا حمل خطرناک حمل ہے۔

❷ پیشاب کی نالی تک جلن اور سوزش جا پہنچتی ہے اور پھر اس سے بھی آگے مثانہ اور گردوں میں بھی چلی جاتی ہے، اور پیشاب کے نظام میں امراض کا پیدا ہونا بہت ہی خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

❸ حیض کے خون میں جراثیم کی کثرت اور خاص کر سیلان کے مرض کے جراثیم بہت زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

❹ عورت حالت حیض میں جسمانی اور نفسیاتی طور پر ایسی کیفیت میں ہوتی ہے جو ہم بستری کی اجازت نہیں دیتی، اس وقت ہم بستری اسے بہت ہی زیادہ اذیت دیتی ہے، اوراس کے ساتھ ساتھ اسے دوران حیض بہت سے دردوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

حالتِ حیض میں عورت کے احوال

دینِ اسلام دینِ فطرت ہے، اس کا ہر حکم فطرت کے عین مطابق ہے، اس کا حالتِ حیض میں ہمبستری سے روکنے میں جانبین کی مصلحت بھی پیش نظر ہے۔ اس لیے کہ اس حالت میں جماع کرنے سے جہاں خاوند کا نقصان ہوتا ہے وہاں بیوی کا بھی ہوتا ہے۔

ڈاکٹر بار کا کہنا ہے:

❶ حیض کی حالت میں بہت سی قسم کی دردیں ہوتی ہیں جس کی شدت بھی عورتوں میں مختلف ہوتی ہے، اور اکثر عورتیں تو حالت حیض میں کمر اور پیٹ کے نچلے حصہ میں درد محسوس کرتی ہیں، اور کچھ عورتوں کو تو اتنی شدت کی درد ہوتی ہے کہ انہیں اس تکلیف کی کمی کے لیے ادویات اور سکون والی اشیاء استعمال کرنی پڑتی ہیں۔

❷ اکثر عورتیں حیض کے ابتدائی ایام میں تو بہت شدید قسم کی تنگی اور تکلیف محسوس کرتی ہیں، اور اسی طرح اس کی عقلی اور فکری حالت بھی بہت ہی زیادہ پتلی ہو چکی ہوتی ہے۔

❸ بعض عورتوں کو تو آدھے سر کا درد ہوتا ہے، اور یہ دردیں تھکا دینے والی ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ پانی کا اخراج اور قئ بھی ہوتی ہے۔

❹ عورت میں جنسی رغبت کی کمی واقع ہو جاتی ہے، بلکہ اکثر عورتیں تو دوران حیض مکمل طور پر ہم بستری سے بے رغبت ہوتی ہیں، اور سارے کے سارے تناسلی اجزاء تقریباً بیماری کی حالت کے مشابہ ہوتے ہیں، تو ان حالات میں ہم بستری کوئی طبعی چیز نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے بلکہ اس کے برعکس بہت سی بیماریاں لگنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

۵ دورانِ حیض عورت کا درجہ حرارت سو فیصدی نیچے گر جاتا ہے، اور درجہ حرارت گرنے کی بنا پر نبض بھی آہستہ ہو جاتی ہے، اور پھر خون کا دباؤ بھی کم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سستی و کاہلی اور سر درد اور چکر سے آنے لگتے ہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ أَتَى حَائِضًا، أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا، أَوْ كَاهِنًا، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ۔[2]

جس نے حیض والی عورت سے قربت کی یا عورت کی دُبر میں دخول کیا یا کاہن (غیب دانی کے دعویدار) کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی (یعنی سچا یقین کیا) تو وہ اس نے شریعت محمدیہ ﷺ کا انکار کر دیا۔

❁ حالتِ حیض میں جماع کا کفارہ

حالتِ حیض میں، اگر میاں بیوی کی رضامندی سے جماع کے گناہ کا ارتکاب ہوا ہے تو دونوں گناہ گار ہوئے، دونوں پر استغفار کرنا لازم ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کے بعد کچھ صدقہ کرے؛ تاکہ نیکی سے گناہ دھل جائے۔ استطاعت ہو تو ایک دینار (4.374 گرام سونے کا سکہ) یا آدھا دینار (یا اس کی قیمت) صدقہ کریں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ: «يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِ دِينَارٍ۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص (اپنی حائضہ) بیوی سے جماع کرلے تو اسے چاہیے کہ ایک یا آدھا دینار صدقہ کرے۔

-------------------حواشی اور حوالہ جات-------------------

1 الحيض والنفاس والحمل بين الفقه والطب، المؤلف: د.عمر بن سليمان الأشقر

2 سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ الحَائِضِ، رقم الحديث: 135

3 سنن ابی داؤد، بَابٌ فِي إِتْيَانِ الْحَائِضِ، رقم الحديث: 264

۳ تین طلاق اور اس کا حکم

شادی سے پہلے نکاح و طلاق کے مسائل نہ سیکھنے سکھانے کی وجہ سے خاندانوں کے خاندان اجڑ رہے ہیں اور زندگیاں برباد ہو رہی ہیں۔ اس مجلس میں طلاق کے ایک اہم مسئلہ کو واضح کر دیتے ہیں۔

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٍ۔ البقرة [229]

"طلاق (زیادہ سے زیادہ) دو بار ہونی چاہیے، اس کے بعد (شوہر کے لیے دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدے کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کر لے) یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گزر جانے دے)"۔

جب میاں بیوی میں اس درجہ نااتفاقی ہو جائے کہ نباہ کی کوئی صورت نہ رہے تو مرد کے لیے شرعاً اس کی اجازت ہے کہ عورت کو طلاق دیدے۔ طلاق دینے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ ایسے طہر (پاکی کی حالت) میں طلاق دے جس میں مرد نے عورت سے قربت نہ کی ہو، ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، یہ طلاق رجعی ہو گی۔ طلاقِ رجعی کا حکم یہ ہے کہ عدّت (تین حیض کی مدت یا بیوی کے حاملہ ہونے کی صورت میں بچے کی پیدائش سے پہلے) تک بیوی بدستور شوہر کے نکاح میں رہتی ہے۔ دورانِ عدت شوہر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ چاہے تو بیوی سے "رُجوع" کر سکتا ہے۔ "رُجوع" کا مطلب یہ ہے کہ یا تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے طلاق واپس لے لی یا میاں بیوی کی صلح ہو جائے۔ اس صورت میں انہیں زوجیت کا تعلق قائم کرنے کے لیے نئے نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اور اگر خاوند نے کسی وجہ سے دوسری مرتبہ بھی طلاق دے دی تو بھی عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن اگر عدّت گزر گئی اور شوہر نے اپنے قول یا فعل سے رُجوع نہیں کیا تو ان کا

نکاح ختم ہو جائے گا۔ اگر شوہر سے مصالحت ہو جائے تو اس سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔ دو طلاق دینے کے بعد شوہر کے پاس صرف ایک طلاق کا حق رہ جاتا ہے۔

اور اگر اس نے تیسری طلاق بھی دے دی یا ایک ہی مرتبہ تین طلاق دے دی تو تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی اور یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

تین طلاقوں کے تین واقع ہونے کا بیان

تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

١ تین مجلسوں میں الگ الگ تین طلاقیں دے۔

٢ تین کے عدد کی صراحت کے ساتھ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے جیسے یوں کہے "تجھے تین طلاق ہے"۔

٣ ایک ہی مجلس میں تین بار طلاق کا لفظ استعمال کرے جیسے کوئی کہے: "میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی"۔

تین طلاق دینے کی جو بھی صورت اختیار کی جائے گی، اس سے تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اب ہم آپ کی خدمت میں مسئلہ طلاق کی قرآن و سنت سے پوری وضاحت کر دیتے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔ [1]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] البقرۃ:2:229

”طلاق (زیادہ سے زیادہ) دو بار ہونی چاہیے، اس کے بعد (شوہر کے لیے دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدے کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کر لے) یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گزر جانے دے)“۔

فَإِن طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ ۔[1]

پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہو گی۔

مشہور صحابی اور مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَهُ ۔[2]

”اگر مرد نے تین طلاقیں دے دیں تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہو گی“۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ دو طلاق رجعی کے بعد شوہر رجوع کا حق رکھتا ہے لیکن تیسری طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق ختم ہو کر حرمت مغلظہ ثابت ہو جاتی ہے۔ آیت کریمہ میں مجلس کے متحد یا مختلف ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں لہذا مجلس متحد ہو یا مختلف دونوں صورتوں میں تین طلاقیں دینے سے عورت مغلظہ ہو جائے گی۔[3]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 البقرۃ،2:230

2 السنن الکبری للبیهقی ،رقم الحدیث: 15202، الصحیح المسبور من التفسیر بالمأثور، ج:1ص:345

3 قَوْله تَعَالَى فَلا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ فَحَكَمَ بِتَحْرِيمِهَا عَلَيْهِ بِالثَّالِثَةِ بَعْدَ الِاثْنَتَيْنِ وَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ إيقَاعِهِمَا فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ أَوْ فِي أطهار فَوَجَبَ الْحُكْمُ بِإِيقَاعِ الْجَمِيعِ عَلَى أَيِّ وَجْهٍ أَوْقَعَهُ مِنْ مَسْنُونٍ أَوْ غَيْرِ مَسْنُونٍ وَمُبَاحٍ أَوْ مَحْظُورٍ۔۔۔۔احکام القرآن للجصاص، ج:2ص:84

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت، مرد کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

اب ہم کچھ احادیث صحیحہ بھی پیش کر دیتے ہیں:

حدیث نمبر 1:

صحیح البخاری میں حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں آپ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں آپ ﷺ نے ان کو نافذ قرار دیا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حَدَّثَنَا يَحْيَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ... قَالَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلاَثًا، قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ فَرَغَا مِنَ التَّلاَعُنِ، فَفَارَقَهَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ۔[1]

ترجمہ: حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ! اگر اب بھی میں اس عورت کو اپنی زوجیت میں رکھوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی تھی، پس جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے اس کو تین طلاقیں دے دیں اور نبی کریم ﷺ کی موجودگی ہی میں اس عورت کو جدا کر دیا۔

حدیث نمبر 2:

تین طلاقوں کے واقع ہونے کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی بخاری شریف میں موجود ہے:

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 5309، بَابُ التَّلاَعُنِ فِي المَسْجِدِ

قَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ، إِذَا سُئِلَ عَمَّنْ طَلَّقَ ثَلاَثًا، قَالَ: «لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَنِي بِهَذَا، فَإِنْ طَلَّقْتَهَا ثَلاَثًا حَرُمَتْ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ۔[1]

"جب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تین طلاق دینے والے شخص کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے "اگر (کسی عورت کو) ایک یا دو مرتبہ طلاق (رجعی) دی جاتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں رجوع کر نے کا حکم فرماتے ،پس اگر تین طلاقیں دی ہوں تو وہ حرام ہو گئی یہاں تک کہ تمہارے علاوہ کسی اور شوہر سے نکاح (اور ہمبستری) کرے"۔

حدیث نمبر:3

عَنْ مَحْمُودَ بْنِ لَبِيدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا، فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ: «أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟» حَتَّى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلَا أَقْتُلُهُ؟۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 5264، بَابُ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ

2 سنن النسائی، رقم الحدیث: 3401

تحقیق الاسناد:

❶ قال ابن القیم: اسنادہ علی شرط مسلم.... زاد المعاد ج5 ص24 فصل فی حکمه ﷺ فیمن طلق ثلاثا

❷ قال العلامة المارديني: وقد ورد في هذا الباب حديث صحيح صريح فاخرج النسائي في باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ بسند صحيح عن محمود بن لبيد...الجوهر النقى على البيهقي ج7 ص333 باب الاختيار للزوج ان لا يطلق الا واحدة

❸ قال ابن حجر: رواته مؤثقون...بلوغ المرام ص442

❹ قال ابن كثير: اسناده جيد... نيل الاوطار ج6 ص240، باب ما جاء في طلاق البتة وجمع الثلاث واختيار تفريقها

سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے بارے میں بتایا گیا جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں۔ آپ غصے کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا"کیا میری موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جاتا ہے؟" حتیٰ کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟"

اس حدیث سے دو باتیں واضح ہوئیں:

❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکٹھی تین طلاق دینے کی خبر سن کر سخت غصہ کا اظہار فرمانا تین طلاق کے واقع ہونے کی مستقل دلیل ہے کیوں کہ اگر تین طلاقیں ایک ہوتیں اور خاوند کو رجوع کا حق باقی رہتا تو شدید غصہ کی کوئی وجہ نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما دیتے کہ ایک طلاق ہوئی ہے، تم رجوع کر لو۔

❷ اگر تین طلاق واقع نہ ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ان کو رد فرما دیتے اور صراحت فرما دیتے کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہوئی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رد فرمانا کہیں منقول نہیں جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن العربی فرماتے ہیں:

فَإِنَّ فِيهِ التَّصْرِيحَ بِأَنَّ الرَّجُلَ طَلَّقَ ثَلَاثًا مَجْمُوعَةً وَلَمْ يَرُدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ بَلْ أَمْضَاهُ كَذَا قَالَ وَلَيْسَ فِي سِيَاقِ الْخَبَرِ تَعَرُّضٌ لِإِمْضَاءِ ذَلِكَ ۔[1]

قرآن وسنت کے ان دلائل سے روزِ روشن کی طرح وضح ہو گیا کہ تین طلاقیں کسی بھی صورت میں دی جائیں تو تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

تین طلاق کے بارے میں شیعہ اور مرزائیوں کا عقیدہ

شیعوں اور مرزائیوں کا مذہب یہ ہے کہ تین طلاق ایک شمار ہوتی ہیں۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] فتح الباری ،ج:9ص:275، باب من جوز طلاق الثلاث، ذخیرة العقبى فی شرح المجتبى،ج:28ص:275

مشہور شیعی عالم ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی لکھتے ہیں:

والطلاق الثلاث بلفظ واحد او فی طہر واحد متفرقاً لا یقع عندنا الا واحدۃ۔[1]

تین طلاقیں ایک لفظ سے دی گئی ہوں یا ایک طہر میں علیحدہ علیحدہ دی گئی ہوں ہمارے نزدیک صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

مذہب مرزائیت:

مرزائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اکٹھے تین طلاق دینے سے ایک ہی واقع ہوتی ہے: چنانچہ انہوں نے اپنی نام نہاد فقہ" فقہ احمدیہ" کے نام سے شائع کی ہے۔اس میں ہے "فقہ احمدیہ کے نزدیک اگر تین طلاقیں ایک دفعہ ہی دے دی جائیں تو ایک رجعی طلاق متصور ہو گی۔[2]"

طلاق کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ

میاں بیوی کو ایک دوسرے کی قدر عام طور پر مفارقت اور جدائی کے بعد ہی آتی ہے۔جب تین طلاق کے بعد واپسی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو پھر بعض لوگ عجیب طرح کے کرشمے کرتے ہیں۔کچھ تو طلاق ہی سے مکر جاتے ہیں اور بعض عذر بہانے کرنے لگتے ہیں تاکہ کسی طرح آپس کا تعلق بحال ہو جائے،ہم ان میں سے کچھ بہانوں کو بیان کر دیتے ہیں تاکہ غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔

❶ طلاق کی نیت نہیں تھی

صریح اور واضح الفاظ میں طلاق دینے کے بعد بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری طلاق کی نیت ہی نہیں تھی بلکہ ہم نے بیوی کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے طلاق دی تھی۔واضح رہے کہ اگر

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 المبسوط فی فقہ الامامیہ:ج5ص4

2 فقہ احمدیہ:ص80

کوئی آدمی صریح الفاظ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو۔اس لیے کہ نیت مبہم اور غیر واضح بات کو متعین کرنے کے لیے ہوتی ہے،جب کہ یہاں کوئی ابہام ہی نہیں ہے اور قرآن کریم میں بھی دلیل موجود ہے کہ "طلاق دو مرتبہ ہے" یہاں نیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[1]

❷ ہنسی مذاق میں طلاق دی تھی

لوگوں کا کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے ہنسی میں طلاق دی تھی۔یاد رہے کہ طلاق کے باب میں مذاق کا حکم بھی شرعاً معتبر اور حقیقت پر محمول ہوتا ہے۔لہٰذا اگر کسی نے مذاق میں طلاق تو واقع ہو جائے گی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالرَّجْعَةُ۔[2]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تین چیزوں کی حقیقت بھی حقیقت ہے اور مذاق بھی حقیقت ہے، نکاح، طلاق اور رجعت۔

❹ غلطی سے طلاق دی تھی

لوگوں کا کہنا ہوتا ہے کہ" ہم نے غلطی میں طلاق دی ہے"۔واضح رہے کہ شریعتِ مطہرہ میں نکاح، طلاق اور رجوع ان امور میں سے ہیں جن کے وقوع کے لیے قصداً ان امور کو انجام دینا ضروری نہیں، پس اگر یہ افعال مذاق میں یا غلطی سے انجام دے دیے گئے تو شرعاً ان پر

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ، فصل فی النیة فی احد نوعی الطلاق وهو الكناية ، ج:3ص:101

[2] سنن الترمذی،رقم الحدیث:1184

بھی احکامِ شرع مرتب ہو جائیں گے، لہٰذا غلطی سے طلاق دی تو طلاق ہو جائے گی۔ [1]

۵ طلاق پر کوئی گواہ نہیں تھا

بعض لوگ جب رجوع کا کوئی طریقہ نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ "طلاق تو دی ہے مگر گھر میں اکیلے میاں بیوی تھے، کوئی گواہ نہیں تھا"۔ واضح رہے کہ طلاق کے لیے گواہ بنانا مستحب تو ہے؛ تاکہ فریقین بعد میں جھوٹا دعویٰ نہ کر سکیں، تاہم گواہ بنائے بغیر بھی اگر کوئی طلاق دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، طلاق واقع ھونے کے لیے گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں طلاق کے کئی واقعات پیش آئے جن میں بغیر گواہی کے طلاق کا اعتبار کیا گیا، اگر طلاق میں گواہی یا دوسروں کا سننا ضروری ہوتا تو گواہ ضرور طلب کیے جاتے، ورنہ کم از کم اعتراف کے موقع پر دوبارہ اعتراف کروایا جاتا۔ [2]

٦ غلط فتویٰ لے لینا

تین طلاق کے بعد بیوی مرد پر بالکل حرام ہو جاتی ہے، اب اس کے ساتھ رہنا اور تعلقات قائم رکھنا حرام ہے۔ اگر کوئی نادان غلط فتویٰ دے دے تو بھی سابقہ بیوی مرد پر حرام ہی

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 دار الافتاء بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر 144003200276

2 دار الافتاء بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر 144212201231
قَوْلُهُ تَعَالَى: (وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ) وَأَشْهِدُوا: أَمْرٌ بِالْإِشْهَادِ عَلَى الطَّلَاقِ. وَقِيلَ: عَلَى الرَّجْعَةِ. وَالظَّاهِرُ رُجُوعُهُ إِلَى الرَّجْعَةِ لَا إِلَى الطَّلَاقِ. فَإِنْ رَاجَعَ مِنْ غَيْرِ إِشْهَادٍ فَفِي صِحَّةِ الرَّجْعَةِ قَوْلَانِ لِلْفُقَهَاءِ. وَقِيلَ: الْمَعْنَى وَأَشْهِدُوا عِنْدَ الرَّجْعَةِ وَالْفُرْقَةِ جَمِيعًا. وَهَذَا الْإِشْهَادُ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ عند أَبِي حَنِيفَةَ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَأَشْهِدُوا إِذا تَبايَعْتُمْ «1» [البقرة: 282]. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ وَاجِبٌ فِي الرَّجْعَةِ، مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ فِي الْفُرْقَةِ. وَفَائِدَةُ الْإِشْهَادِ أَلَّا يَقَعَ بَيْنَهُمَا التَّجَاحُدُ، وَأَلَّا يُتَّهَمَ فِي إِمْسَاكِهَا، وَلِئَلَّا يَمُوتَ أَحَدُهُمَا فَيَدَّعِي الْبَاقِي ثُبُوتَ الزَّوْجِيَّةِ۔ تفسیر القرطبی، ج:18ص:158

رہے گی، کسی کا غلط فتویٰ حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ تین طلاق کے بعد غیر مقلدین کی آڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے فتویٰ لے لیا ہے، انہیں ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ سو آدمی بھی فتویٰ دے دیں تو بھی حرام، حلال نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا زنا کے مرتکب ہو کر اللہ رب العزت کے غضب کو دعوت نہ دیں ورنہ گھر اجڑ جائیں اور مصائب آپ کا جینا دوبھر کر دیں گے۔

طلاق کے باب میں عرضی نویسوں کی جہالت اور ان کا ظلم و ستم

ہمارے ہاں گھر اجاڑنے اور انہیں تباہی کے گھاٹ اتارنے میں بہت بڑا کردار عرضی نویسوں کا ہے، ہمارے عوام طلاق کے مسائل سے بالکل نا واقف ہوتے ہیں، جب طلاق کا کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو وہ بے چارے عرضی نویسوں کا رخ کرتے ہیں اور وہ ان کی جہالت سے کھیلتے ہیں اور رٹی رٹائی عبارت میں تین طلاقیں لکھ کر ان سے دستخط یا انگوٹھا لگوا کر فریقین کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی کرا دیتے ہیں۔

حالاں کہ ان کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ:

❶ طلاق کا کیس آئے تو انہیں سمجھانے کی کوشش کریں۔

❷ ان کی پریشانی کا حل بتائیں جس سے وہ طلاق سے بچ سکیں۔

❸ اگر مجبوری کی وجہ سے طلاق نامہ لکھنا پڑ جائے تو تین طلاقیں اکٹھی نہ لکھیں اور کوئی لکھنے کا کہے تو بھی نہ لکھیں کہ یہ جائز نہیں، اس لیے کہ یہ گناہ پر تعاون ہے۔

❹ اگر کسی طریقے سے معاملہ فہمی نہ ہو رہی ہو تو پھر ایک طلاق، صریح الفاظ میں لکھیں اور اس پر دستخط کروائیں تاکہ اگر بعد میں صلح صفائی ہو جائے تو پریشانی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جہالت اور خود رائی سے محفوظ رکھے۔ آج کل بعض لوگ غصہ میں بیوی کو تین طلاق دیدیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

پارہ نمبر: 3 تلْكَ الرُّسُلُ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① صدقہ کی قبولیت کے لیے تین چیزوں کی ضرورت

ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَآ أَنفَقُوا۟ مَنًّا وَلَآ أَذًى ۔[1]

”جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف پہنچاتے ہیں“۔

صدقہ کی قبولیت عند اللہ اور اس پر اجر و ثواب پانے کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے

١ صدقہ کرنے کا مقصد صرف اللہ رب العزت کی رضا اور اس کی خوشنودی ہو۔

٢ خرچ کرنے کے بعد احسان نہ جتلایا جائے کہ میں نے تیری خدمت کرکے اور تیرے بگڑے حالات سنوار کر تیرے اوپر احسان کیا ہے۔

٣ جس پر خرچ کیا جائے اسے عار دلا کر ستایا نہ جائے مثلاً یہ کہنا کہ: کب تک تو مانگتا پھرے گا، کیا تو ہمیشہ فقیر ہی رہے گا، کمائے گا نہیں وغیرہ یا کسی ضرورت مند کی خدمت کرنے کے بعد اس سے خدمت لینا، اسے حقیر سمجھنا یا دوسروں کے سامنے اس خدمت کا تذکرہ کرکے اسے تکلیف دینا وغیرہ۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] البقرۃ [262]

اگران تین باتوں میں سے کسی کی بھی خلاف ورزی ہوئی تو صدقہ صدقہ نہیں رہے گا بلکہ اس کا ثواب ضائع ہو جائے گا اور یہ ایسے ہو گا جیسا کہ صدقہ ہوا ہی نہیں۔ اس لیے کہ صدقہ کا مطلب صرف اجر و ثواب لینا ہے نہ کہ اس سے کوئی دوسری غرض۔[1]

اخلاص کا عجیب واقعہ

عبد الرحمن بن زید رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے شیخ اور واعظ گزرے ہیں،[2] ان کا بیان ہے کہ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب تو کسی کو کچھ دے اور پھر تجھے محسوس کہ اس کو تیرا اسلام کرنا بھی گراں گزرتا ہے تو اس کو سلام بھی نہ کر۔ یعنی اس فعل سے تیرے دل میں اگر یہ خیال گزرتا ہے کہ کہیں یہ شخص یہ نہ سمجھے کہ احسان جتلانے کے لیے سلام کرتا ہے تو اسے سلام کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔[3]

۲ طالب علم اور اسباب معیشت

لِلْفُقَرَآءِ ٱلَّذِينَ أُحْصِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِى ٱلْأَرْضِ۔[4]

(مالی امداد کے بطور خاص) مستحق وہ فقرا ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ (معاش کی تلاش کے لیے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:2ص:649

2 هو شيخ أفريقية وقاضيها وأول من ولد بها من المسلمين عبد الرحمن بن زياد بن أنعم الشعباني الأفريقي الزاهد الواعظ، توفي سنة ست وخمسين ومائة ... حاشية التفسير القيم، ص:158

3 التفسير القيم، ص:158، تفسير البغوي، ج:1ص:326

4 البقرة [273]

اللہ رب العزت نے اپنے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب کے بعد اب خاص طور پر ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو مالی تعاون کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کچھ صفات بیان فرمائی ہیں۔ یہ ساری صفات اصحاب صفہ میں پائی جاتی تھیں، اس لیے اس آیت کے سب سے پہلے مصداق وہی ہیں۔ پھر قیامت تک جو لوگ بھی ان صفات کے حامل ہوں گے وہ سب سے زیادہ مالی تعاون کے حق دار ہوں گے۔

لِلْفُقَرَآءِ ٱلَّذِينَ أُحْصِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ :(جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ (معاش کی تلاش کے لیے) یعنی صدقہ ان لوگوں کا حق ہے جنہیں جہاد اور طلب علم نے کمائی کرنے سے روک رکھا ہے، یہ لوگ جہاد اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو سمجھنے، سمجھانے، محفوظ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی وجہ سے محصور ہو کر رہ گئے ہیں، یہ لوگ اللہ کی خاطر گھر سے نکلے، اللہ کی خاطر مال مویشی چھوڑ کر فقر اختیار کیا اور اب اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر کے بیٹھے ہیں۔

اس آیت سے دو احکام واضح ہوئے:

❶ طلب علم اور طلبِ معیشت دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ کمانے کی قدرت کے باوجود صرف دینی مشغولیت کی وجہ سے کمانے کی فرصت نہیں پاتے۔

اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوئی جو کہتے ہیں کہ مدارس والوں کو دینی علوم کے ساتھ ساتھ ایسے علوم بھی سکھانے چاہییں، جس سے وہ اپنا روزگار چلا سکیں۔ اگر یہ دونوں چیزیں جمع ہو سکتیں تو اللہ تعالیٰ مہاجرین فقرا کو بھی اس کے سیکھنے کا حکم فرماتے اور ان کے لیے صدقات میں کوئی حصہ بیان نہ کرتے اور انہیں اپنے راستے میں محصور قرار نہ دیتے۔ علم کی شان یہ ہے کہ اسے

اپنا سارا وقت دیا جاتا ہے تو وہ اپنا کچھ حصہ دیتا ہے۔[1] اس لیے اس مادیت پرستی کے زمانے میں جہاں ہر آدمی نفسا نفسی کی کیفیت میں ہے، طلبہ کرام اور ان کے والدین کو خراج تحسین کرنا چاہیے کہ انہوں نے اپنے آپ کو دین کے علوم کے لیے وقف کرر کھا ہے۔

❷ جن لوگوں نے ملازمت کے بجائے اپنے آپ کو جہاد اور دینی علوم کے حصول کے لیے وقف کرر کھا ہے ان پر خرچ کرنا اولین ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ان کے علاوہ دوسرا کوئی مصرف بیان نہیں کیا۔[2]

آخر میں ایک حدیث سن لیں، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ، وَإِنَّ رِجَالًا يَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الأَرَضِينَ يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ، فَإِذَا أَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا۔[3]

"بے شک سب لوگ تمہارے تابع ہیں، اور تمہارے پاس دنیا کے اطراف سے بہت لوگ دین کا علم حاصل کرنے آئیں گے، چناں چہ جب وہ دین کا علم (میری احادیث وغیرہ) حاصل کرنے آئیں تو میری آپ لوگوں کو وصیت ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا"۔

③ مالی معاملات کے اہم اصول

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ۔[4]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:1ص:659

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:1ص:659

3 سنن الترمذی، رقم الحدیث:2650،

4 البقرۃ [282]

”اے ایمان والو جب تم کسی معین میعاد کے لیے ادھار کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو“۔

یہ قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے جو قرض اور ادھار کے لین دین کے ہی احکام و آداب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

❁ اس آیت میں اہلِ ایمان کو تعلیم دی گئی ہے کہ جب ادھار کا کوئی بھی معاملہ ہو، خواہ قرض کا لین دین ہو یا خرید و فروخت کا، رقم پہلے دی ہو اور مال بعد میں لینا ہو یا مال ادھار پر دے دیا اور رقم بعد میں وصول کرنی ہو، یونہی دکان یا مکان کرایہ پر لیتے ہوئے ایڈوانس یا کرایہ کا معاملہ ہو، اس طرح کی تمام صورتوں میں معاہدہ لکھ لینا چاہیےاور اس پر گواہ بھی ہونے چاہییں۔ یہ عمل اگرچہ مستحب ہے،[1] لیکن اس پر عمل کرنا بہت سی تکالیف سے بچالیتاہے۔

ہمارے زمانے میں تو اس حکم پر عمل کرنا انتہائی اہم ہو چکا ہے کیوں کہ دوسروں کا مال دبا لینا، معاہدوں سے مکر جانا اور کوئی ثبوت نہ ہونے کی صورت میں اصل رقم کے لازم ہونے سے انکار کرنا عام ہو چکا ہے۔

❁ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی مدت ضرور مقرر کی جائے غیر معین مدت کے لیے ادھار لینا دینا جائز نہیں کیوں کہ اس سے جھگڑے فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔

لہٰذا جو اپنی عافیت چاہتا ہے وہ اس حکم پر ضرور عمل کرے۔ اسی لیے آیت کے درمیان میں فرمایا کہ ”اور قرض چھوٹا ہو یا بڑا اسے اس کی مدت تک لکھنے میں اکتاؤ نہیں“۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں تین آدمی ایسے ہیں جو اللہ سے دعا کرتے ہیں مگر ان کی دعا قبول نہیں کی جاتی: ان میں سے ایک آدمی وہ ہے:

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] عندنا انهم راوه ندبالا ایجابا...احکام القرآن للتھانوی، ج:1ص:685

كَانَ لَهُ عَلَى رَجُلٍ مَالٌ فَلَمْ يُشْهِدْ عَلَيْهِ۔[1]

"جس کا کسی دوسرے شخص کے ذمے کچھ مال تھا لیکن اس نے گواہ نہیں بنایا"۔

آپس کے تعلقات خراب ہونے کی وجوہات

مالی معاملات کی وجہ سے جہاں بھی تعلقات خراب ہوتے ہیں اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ہم دوستی تعلق اور بھائی چارگی کی وجہ سے معاملات کو صاف اور واضح نہیں رکھتے، اس لیے دو دلوں میں دراڑیں پیدا ہوتی ہیں اور تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ دانا لوگ کہتے ہیں:

تَعَامَلُوْا كَالْاَجَانِبِ وَتَعَاشَرُوْا كَالْاِخْوَانِ

"معاملات کرو اجنبیوں کی طرح اور رہو بھائیوں کی طرح"۔

مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ ایسا کرو جیسے ایک بھائی کو دوسرے کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اس میں ایثار، مروّت، رواداری، تحمّل اور اپنائیت کا مظاہرہ کرو، لیکن جب روپے پیسے کے لین دین، جائیداد و معاملات اور شرکت و حصّہ داری کا مسئلہ آ جائے تو بہتر تعلقات کی حالت میں بھی انہیں اس طرح انجام دو جیسے دو اجنبی شخص انہیں انجام دیتے ہیں، یعنی معاملے کی ہر بات صاف ہونی چاہیے، کوئی بات ابہام میں رہے اور نہ معاملے کی حقیقت میں کوئی اشتباہ باقی رہے۔[2]

اگر اپنوں کے ساتھ معاملات کو صاف رکھنا مشکل ہو تو اپنوں کے ساتھ معاملہ ہی نہ کرو۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشہور تو یہ ہے کہ: تَعَامَلُوْا كَالْاَجَانِبِ وَتَعَاشَرُوْا كَالْاِخْوَانِ، یعنی معاملہ کرو مثل اجنبیوں کے اور معاشرت کرو مثل بھائیوں کے، لیکن

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: 3181

[2] http://shariahandbiz.com

چوں کہ آجکل مشکل ہے کہ اِخوان [یعنی بھائیوں] کے ساتھ معاملہ تو ہو لیکن اَجانِب کا سا] یعنی اجنبیوں کی طرح] ،اس لیے میں نے ترمیم کی ہے یعنی: تَعَامَلُوْا مَعَ الْاَجَانِبِ وَتَعَاشَرُوْا مَعَ الْاِخْوَانِ، یعنی معاملہ کرو اجنبیوں کے ساتھ اور معاشرت کرو بھائیوں کے ساتھ، یعنی اِخوان کے ساتھ معاملہ بھی نہ کرو۔ اکثر دیکھا ہے کہ اپنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں خرابی ہوتی ہے اور نقصان بھی اُٹھانا پڑتا ہے۔[1]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] ملفوظاتِ حکیم الامت، ج:23ص:331

پارہ نمبر:4 لَنْ تَنَالُوا الْبِرّ

أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

۱ تعلیم وتربیت میں نرمی اور شفقت کی اہمیت

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ[1]

(اے محمد ﷺ) یہ اللہ ہی کی رحمت ہے جو آپ ان کے لیے نرم دل ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے آس پاس سے بھاگ جاتے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ تعلیم وتربیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور شفقت کو اختیار کرنا اور ترش روئی اور سخت مزاجی کو چھوڑنا ضروری ہے۔ جس طرح سونا نَرم ہو کر زیور، لوہا نرم ہو کر ہتھیار اور مٹی نرم ہو کر کھیتوں کے لہلہانے کا سبب بنتی ہے، اسی طرح اِسلامی تعلیمات کے مطابق کی جانے والی "نرمی" ایسی خوبی ہے جس کی بدولت انسانی رَوَیّے میں رحمت، شفقت، شائستگی، مہربانی، آسانی، عفوودرگزر اور بردباری جیسے خوشبودار پھول کھلتے ہیں۔ نرمی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ فرعون جیسے متکبر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۔[2]
"جا کر دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے، یا (اللہ سے) ڈر جائے"۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 آل عمران [159]

2 طہ 44:20

انسان کا مزاج ہے کہ وہ بردبار، خوش اخلاق، متواضع اور منکسر المزاج کے پاس جانا، اٹھنا بیٹھنا اور اس سے فیض لینا پسند کرتا ہے۔بچے بھی اسی والد اور استاذ کے قریب رہنا پسند کرتے ہیں جن کے مزاج میں نرمی اور طبیعت میں شفقت ہوتی ہے۔

ہمارے معاشرے کی ابتر حالت

ہمارے معاشرے میں نرمی کی جگہ بے جا سختی نے لے لی ہے،یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی ایک تعداد سے خیر خواہی، خداترسی،رحم دلی، اور حسنِ سلوک کا جذبہ بھی دم توڑ رہا ہے۔بات بات پر جھگڑنا،چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر آگ بگولہ ہوجانا اور لڑنے مرنے پر تیار ہوجانا،یہ سب ہمارے معاشرے میں عام ہوتا جا رہاہے جس کا بنیادی سبب نرمی کا ختم ہو جاناہے۔بعض گھرانوں میں ایک سے بڑھ کر ایک سخت مزاج ہوتا ہے،یہ اچھی بات نہیں۔

عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ كُلَّهُ-[1]

”جو نرمی سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا“۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ گھر کی زندگی سے لے کر باہر کی زندگی تک نرمی، شفقت اور بردباری کی عادت ڈالیں۔اس سے لوگ بھی آپ کے قریب آئیں گے اور آپ سے خیر بھی پھیلے گی۔

ہاں اگر طبیعت میں سختی اور غصہ انسان کو حدود شرع میں ہی رکھے (غصہ وہاں آئے جہاں ضرورت ہو اور ضرورت کے مطابق ہی ہو) تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 سنن ابی داؤد،رقم الحدیث: 4809

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:2ص:65

۲ عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے دینے کا حکم

عرب میں حق مہر کے متعلق عورتوں پر کئی قسم کے ظلم ہوتے تھے، کبھی لڑکی کے اولیاء خاوند سے مہر وصول کر لیتے اور لڑکی کو نہ دیتے۔ کبھی خاوند تاوان سمجھ کر دیتے اور کبھی بیوی کو مجبور کر کے حق مہر معاف کرا لیتے، اس ظلم و ستم کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴿٤﴾ ۔[1]

"اور عورتوں کو ان کے حق مہر خوشی سے دو، پھر اگر وہ اس میں سے اپنی خوشی سے معاف کر دیں تو تم اسے مزہ دار خوشگوار سمجھ کر کھاؤ"۔

اس آیت کریمہ سے کئی باتیں واضح ہوئیں:

❶ عورتوں کا جو حق مہر مقرر ہو گیا ہو اسے دوسرے حقوقِ واجبہ کی طرح خوش دلی سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ حق مہر دینا محبت کی علامت بھی ہے اور صلہ رحمی کی دلیل بھی۔[2]

❷ اگر عورت اپنے اختیار اور رضامندی سے کوئی حصہ مہر کا معاف کر دے یا لینے کے بعد خوشی سے واپس کر دے تو اس کا استعمال کرنا مرد کے لیے جائز ہے۔

❸ حق مہر معاف کرنے کے لیے طیبِ نفس کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ شریعتِ مطہرہ کا اصول ہے:

لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسِهِ۔[3]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 النساء [4]

2 تفسیر حدائق الروح والریحان، ج:5ص:903

3 سنن الدارمی،رقم الحدیث:2885، کتاب البیوع

"کسی شخص کا مال (دوسرے شخص کے لیے) حلال نہیں ہے جب تک کہ اس کے نفس کی خوشی سے حاصل نہ ہو۔"

طیبِ نفس معلوم کرنے کا آسان طریقہ

دور حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بد دلی یا بدمزگی پیدا ہو گی، اس لیے بادل ناخواستہ معاف کر دیتی ہیں، اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں، حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ صحیح معنی میں طیب نفس سے معاف کرنے کا پتہ اس صورت میں چل سکتا ہے کہ مہر کی رقم بیوی کے حوالہ کر دی جائے اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی دباؤ کے دیدے، یہی طیب نفس بہنوں اور بیویوں کی میراث میں بھی سمجھ لینا چاہیے، اکثر یہ ہوتا ہے کہ ماں یا باپ کے فوت ہو جانے پر لڑکے ہی پورے مال پر قابض ہو جاتے ہیں اور لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے، اگر کسی کو بہت دینداری کا خیال ہوا تو بہنوں سے معافی مانگ لیتا ہے وہ چونکہ یہ سمجھتی ہیں کہ حصہ کسی حال میں ملنے والا نہیں، اس لیے اپنی مرضی کے خلاف معاف کرنے کو کہہ دیتی ہیں، پھر باپ کی وفات پر اس کی بیوی کا حصہ بھی نہیں دیا جاتا، خصوصاً سوتیلی ماں کو تو دیتے ہی نہیں، یہ سب حقوق دبالینا ہے۔[1]

۳ زندگی میں اپنی جائیداد اہل و عیال میں تقسیم کرنے کا حکم

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿٥﴾[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر معارف القرآن، ج:2ص:299

2 النساء 5

"اور کم عقل کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے، ہاں ان کو ان میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو "۔

یہاں کم عقل سے مراد وہ لوگ ہیں جو مال کے انتظام کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق اس سے چھوٹے بچے اور ناتجربہ کار بیوی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو مال اللہ رب العزت نے تمہیں عطا فرمایا ہے اور وہ تمہاری زندگی کا سرمایہ ہے اور جس پر تمہاری مادی اور معاشرتی زندگی کا دارومدار ہے، اسے اپنی بیوی بچوں کے سپرد نہ کردو۔ اگر ایسا کروگے تو پھر تمہارے قیام کا ذریعہ مال نہیں رہے گا بلکہ بیوی اور اولاد ہوں گے، گویا پہلے وہ تمہاری زیر کفالت تھے، اب تم ان کی زیر کفالت بن جاؤ گے اور اپنی ضروریات کے لیے ان کے محتاج بن کر رہ جاؤ گے۔

یہاں بیوی بچوں کو سفھاء (نادان) کہا گیا اس لیے کہ بچے تو واقعی نادان ہیں اور عورت بھی بقول حدیث ناقصۃ العقل ہے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ انسان اپنا مال اپنے پاس رکھے، خود بھی اس سے فائدہ اٹھائے اور اہل و عیال کو بھی کھلاتا پہناتا رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَٱرۡزُقُوهُمۡ فِيهَا۔[1]

دیکھا یہ گیا ہے کہ جو لوگ اپنا مال بیوی بچوں کے سپرد کردیتے ہیں ان کا اپنے اہل و عیال پہ کنڑول ختم ہو جاتا ہے اور وہ ان کی بہتر تربیت سے بھی محروم ہو بیٹھتے ہیں۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] احکام القرآن للتھانوی، ج:2ص:108

پارہ نمبر 5: وَالْمُحْصَنَاتُ

أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

① میاں بیوی کی صلح کے احکام

وَإِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَٱبۡعَثُواْ حَكَمٗا مِّنۡ أَهۡلِهِۦ وَحَكَمٗا مِّنۡ أَهۡلِهَآ إِن يُرِيدَآ إِصۡلَٰحٗا يُوَفِّقِ ٱللَّهُ بَيۡنَهُمَآۗ [1]

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لیے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرمادے گا۔

میاں بیوی کے الجھے معاملہ کو سلجھانے کے لیے اس آیت میں کئی اہم اصول بتائے گئے ہیں، ان کی پاسداری اجڑے گھروں کو آباد کرسکتی ہے۔

❶ جب میاں بیوی میں مصالحت کی بات آئے تو مناسب یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والے منصف، سمجھدار اور خاندان کے لوگ ہوں۔ قریبی لوگوں کا بھیجنا اس لیے اچھا ہے کہ وہ اندرونی حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں اور معاملہ سلجھانے کی کوشش بھی کرتے ہیں نیز اس سے میاں بیوی کے مخفی حالات باہر بھی نہیں جاتے۔[2]

❷ فیصلہ کرنے والوں کو دونوں جگہ لفظ "حَکَم" سے تعبیر کرکے قرآن کریم نے ان دونوں

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 النساء [35]

2 تفسیر حدائق الروح والریحان، ج:6ص:65،تفسیر مظھری، ج:2ص:101

شخصوں کے ضروری اوصاف کو بھی متعین کر دیا ہے کہ ان دونوں میں جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو اور یہ صلاحیت ظاہر ہے کہ اسی شخص میں ہو سکتی ہے جو ذی علم بھی اور دیانتدار بھی ہو۔[1]

❸ نیتوں کی صحت و فساد کو احوال کی اصلاح و بگاڑ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صلح صفائی کرنے والوں کو تنبیہ کی ہے کہ ان کی نیت اصلاح کی ہو گی تو صلح ہو جائے گی۔[2]

② امانتیں حقداروں تک پہنچانے کا حکم

إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا۔[3]

"یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ"۔

ہر امانت کو اس کے حقدار تک پہنچانا واجب ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَّا قَالَ: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ۔[4]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایسا بہت ہی کم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ جس میں امانتداری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پاسداری نہیں اس میں دین نہیں۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر معارف القرآن، ج:2ص:403

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:2ص:260، تفسیر ابی السعود، ج:2ص:1و75

3 النساء [58]

4 مسند احمد، رقم الحدیث: 12568، وفی حاشیتہ ھذا حدیث حسن

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "إِنَّ أَوَّلَ مَا يُرْفَعُ مِنَ النَّاسِ الْأَمَانَةُ، وَآخِرُ مَا يَبْقَى الصَّلَاةُ، وَرُبَّ مُصَلٍّ لَا خَيْرَ فِيهِ۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے لوگوں سے امانت اٹھالی جائے گی اور سب سے آخر میں نماز باقی رہے گی اور بہت سے نمازی ایسے ہوں گے کہ ان کے اندر کوئی خیر نہ ہوگی (یعنی نماز دکھاوے کی ہوگی اوراسلامی محاسن مفقود ہوں گے)

امانت کی تفصیل

واضح رہے کہ ادائے امانت کا حکم صرف مال سے ہی تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو حق بھی کسی کا کسی پر ہو وہ امانت ہے اور اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ امانت نماز میں بھی ہوتی ہے اور غسل جنابت میں بھی اور بات میں بھی اور ناپ تول میں بھی اور دین میں بھی اور ان سب سے زیادہ سخت وہ امانت ہے جس کا تعلق ودیعت (کے مال) سے ہو۔

اور سب سے بڑی امانت انسان کا وجود ہے اور اسے حاصل ہونے والا ہر کمال باری تعالیٰ کی طرف سے ایک مستعار ودیعت ہے۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ امانت کو امانت والے کے سپرد کر دینا اور اپنی ذات کو اس کا مالک نہ قرار دینا واجب ہے۔ اگر بادشاہ کسی بھنگی کو خلعت فاخرہ اور لباس امیرانہ پہنا دے تو بھنگی کی یہی دانشمندی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ویسا ہی تصور کرے جیسے پہلے تھا اور خلعت کو بادشاہ کی عاریت سمجھے۔[2]

-------------------حواشی اور حوالہ جات-------------------

[1] شعب الإيمان، الرقم: 4892، الترغيب والترهيب لقوام السنة، رقم الحديث: 229
تحقیق الاسناد: قال الالبانی هذا حديث حسن... صحيح الجامع الرقم: 2575

[2] تفسیر مظھری، ج:2ص:149، احکام القرآن للتھانوی، ج:2ص:290

۳ سلام اور اس کے جواب کا حکم

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا۟ بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ ۔[1]

"اور جب تمھیں کوئی شخص سلام کرے تو تم اسے اس سے بھی بہتر طریقے پر سلام کرو، یا (کم از کم) انہی الفاظ میں اس کا جواب دے دو"۔

اس آیت کریمہ کے تحت کچھ احکام سمجھ لیتے ہیں:

❶ سلام کے جواب میں اضافہ کا حکم

جب کوئی آدمی سلام کرے تو اس کا جواب اتنے اور ویسے ہی الفاظ کے ساتھ دینا تو واجب ہے اور رحمت و برکت کے الفاظ بڑھا کر جواب دینا مستحب ہے۔ چنانچہ السلام علیکم کے جواب میں فقط وعلیکم السلام کہنا واجب اور ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ کر کے جواب دینا مستحب ہے۔[2]

❷ سلام کے جواب میں معنوی زیادتی

سلام کے جواب میں ایک زیادتی تو لفظی ہے اور دوسری معنوی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سلام کا جواب دیتے ہوئے چہرے پر بشاشت ہو، سلام کرنے والے کے حال احوال دریافت کیے جائیں اور اس کے اہل وعیال کی خیریت معلوم کی جائے۔[3]

❸ کلام سے پہلے سلام کرنا مسنون ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «السَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ»

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ کلام سے پہلے سلام ہے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 النساء [86]

2 تفسیر مظھری، ج:2ص:173

3 التفسير الوسيط للشيخ مصطفىٰ وهبة الزحيلي، ج:1ص:355

٤ ہر مرتبہ سامنا ہونے پر سلام

مسلمان بھائی کو ہر مرتبہ سامنا ہونے پر سلام کرنا مسنون ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ, أَوْ حَجَرٌ, ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ أَيْضًا ۔[1]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی سے ملے اور سلام کرے اور پھر درخت یا دیوار کی آڑ ہو جائے اور پھر سامنا ہو تو از سر نو سلام کرے۔

٥ سلام پہنچانے والے کا حکم

اگر کوئی آدمی کسی کا سلام پہنچائے تو جس کو سلام پہنچایا ہو وہ کہے علیک وعلیہ السلام۔

عَنْ غَالِبٍ عَنْ أَبِيهِ عن جَدِّہ قَالَ: بَعَثَنِي أَبِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: ائْتِهِ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ , قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: إِنَّ أَبِي يُقْرِئُكَ السَّلَامَ , فَقَالَ: عَلَيْكَ وَعَلَى أَبِيكَ السَّلَامُ۔[2]

”غالب راوی نے اپنے باپ کی وساطت سے دادا کا مقولہ نقل کیا ہے کہ میرے باپ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ آپ ﷺ سے جا کر میرا اسلام کہنا (میں نے حاضر ہو کر سلام پہنچایا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر اور تیرے باپ پر سلام ہو“۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 5200 الجامع الصحیح للسنن والمسانید، ج:11 ص:349

2 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 5231 الجامع الصحیح للسنن والمسانید، ج:36 ص:369

❻ میسج کے ذریعے سلام اور اس کا حکم

خط و کتابت کے ذریعے کسی کو سلام کرنا آمنے سامنے سلام کرنے کی طرح ہے۔ چنانچہ جب کسی غائب کی طرف سے لکھا سلام پہنچے تو جب مرسل الیہ پڑھے تو اس پر واجب ہے کہ فوری طور پر زبان کے ساتھ سلام کا جواب دے۔ (اسی طرح اگر کوئی شخص واٹس ایپ، ایس ایم ایس، یا ای میل وغیرہ کے ذریعے سلام لکھ کر بھیجے تو زبان کے ذریعے اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے، اس میں بہت سے لوگ کوتاہی کرکے گناہ کے مرتکب ہورہے ہیں۔)[1]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 السَّلاَمُ بِوَاسِطَةِ الرَّسُول أَوِ الْكِتَابِ كَالسَّلاَمِ مُشَافَهَةً... الموسوعة الفقهية الكويتية، ج:25ص:160

پارہ نمبر:6 لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ۞ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

① شکوہ کرنے کا حکم

لَّا يُحِبُّ ٱللَّهُ ٱلۡجَهۡرَ بِٱلسُّوٓءِ مِنَ ٱلۡقَوۡلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۔[1]

”اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی برائی علانیہ زبان پر لائی جائے، الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو“۔

توضیح الآیۃ: یعنی اگر کسی میں دین یا دنیا کا عیب معلوم ہو تو اس کو مشہور نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ مظلوم کو رخصت ہے کہ ظالم کا ظلم لوگوں سے بیان کرے۔[2]

اس آیت کریمہ کے تحت کئی مسائل بیان کرتے ہیں:

❶ کسی میں دین یا دنیا کا عیب دیکھ کر اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض بھی ہوتے ہیں اور اس پر سزا بھی دیتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کی نفی کرکے عداوت کو ثابت کر دیا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ کو عداوت ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ اس کی سزا میں کسی ایک عذاب کی خصوصیت نہیں، ہر قسم کا عذاب بلکہ بڑے سے بڑا عذاب اس جرم پر ہو سکتا ہے۔[3]

----------------حواشی اور حوالہ جات----------------

1 النساء [148]

2 تفسیر عثمانی

3 اشرف التفاسیر، ج:2ص:74

کسی کی برائی کو فروغ دینا اور مختلف ذرائع ابلاغ سے اچھالنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ایسے لوگوں کے لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عَنْ ثَوْبَانَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُؤْذُوا عِبَادَ اللهِ، وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ، وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ طَلَبَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللهُ عَوْرَتَهُ حَتَّى يَفْضَحَهُ فِي بَيْتِهِ-[1]

"لوگو! اللہ کے بندوں کو تکلیف نہ دو اور نہ ان کی عیب جوئی کرو۔ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو تلاش کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب اس طرح ظاہر کرے گا کہ اسے گھر بیٹھے بیٹھے ہی ذلیل ورسوا کر دے گا"۔

٢ جو شخص کسی ایسے شخص کے متعلق برے کلمات کہے جس کی ظاہری حالت میں بھلائی موجود ہو۔اسے اس طرزِ عمل سے روکنا اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا واجب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے یہ خبر دی ہے کہ اسے یہ بات ناپسند ہے اور جو بات اللہ کو ناپسند ہوتی ہے اللہ اس کا ارادہ نہیں کرتا۔اس لیے ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم اس بات کو ناپسند کریں اور اس سے روکیں۔[2]

٣ مظلوم ظالم کے ظلم کی فریاد بھی کر سکتا ہے اور اس کے لیے بد دعا بھی کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی قوم کے پاس جا کر اُترے اور وہ میز بانی نہ کریں اور ان کی طرف سے اچھی مہمانی نہ ہو تو مہمان کے لیے شکوہ کرنا اور جیسا اس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے ویسا بیان کرنا جائز ہے۔[3]

اور یہ اس وقت ہے جب کہ مہمان کے پاس کھانے کے لیے کچھ بھی نہ ہو اور کسی اور

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 مسند احمد،رقم الحدیث: 22402،مجمع الزوائد،رقم الحدیث:13094

تحقیق الاسناد:ھذا حدیث صحیح... مسند احمد،رقم الحدیث: 22402

2 احکام القرآن للجصاص،ج:3ص:281

3 تفسیر مظھری،ج:2ص:267،احکام القرآن،ج:2ص:364

سے اسے مہمان بنالینے کی درخواست کرے لیکن وہ اس کی درخواست قبول نہ کرے اور اسے اپنا مہمان نہ بنائے اس شخص کا یہ رویہ قابل مذمت ہے اور اس میں اس کے خلاف شکوہ کرنے کی اجازت ہے۔[1]

۲ عہد کی پاسداری کا حکم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَوۡفُواْ بِٱلۡعُقُودِ۔[2]

"اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو"۔

لفظ "عُقُوۡد" "عقد" کی جمع ہے۔ جس کے لفظی معنی باندھنے کے ہیں اور جو معاہدہ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں بندھ جائے اس کو بھی عقد کہا جاتا ہے، اس لیے عقود بمعنی عہود ہو گیا۔[3]

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معاہدات کی ابتدائی تین قسمیں ہیں۔ ❶۔وہ معاہدہ جو انسان کا رب العالمین کے ساتھ ہے۔ مثلاً ایمان، اطاعت کا عہد یا حلال و حرام کی پابندی کا عہد۔ ❷۔وہ معاہدہ جو ایک انسان کا خود اپنے نفس کے ساتھ ہے، جیسے کسی چیز کی نذر اپنے ذمہ مان لے، یا حلف کر کے کوئی چیز اپنے ذمہ لازم کر لے۔ ❸۔ وہ معاہدہ جو ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ ہے۔[4]

تمام جائز عہد و پیمان اور وعدوں کا پورا کرنا ضروری ہے، خواہ وہ صریحی ہوں یا ضمنی طور پر ہوں، تحریری ہوں یا زبانی، ایفائے عہد میں سب ہی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر اس کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 هَذَا فِيمَنۡ لَا يَجِدُ مَا يَأۡكُلُ فَيَسۡتَضِيفُ غَيۡرَهُ فَلَا يُضِيفُهُ فَهَذَا مَذۡمُومٌ يَجُوزُ أَنۡ يُشۡكَى ....احکام القرآن للجصاص، ج:3ص:281

2 المائدة [1]

3 تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع

4 تفسير الراغب الأصفهاني، ج:4ص:247

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۔[1]

”اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں سوال ہو گا“۔

تمام جائز معاہدات کو پورا کرنا مسلمان کی صفت اور اس کے ایمان کا تقاضا ہے، جب کہ بد عہدی منافق کی نشانی ہے۔ عہد کی پاسداری کرنے والوں کو نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ، وَأَدُّوا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ، وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ۔[2]

”سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ❶۔جب بات کرو تو سچ بولو۔ ❷۔جب وعدہ کرو تو پورا کرو۔ ❸۔جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کرو۔ ❹۔اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ ❺۔اپنی آنکھوں کو نیچے رکھو۔ ❻۔اور اپنے ہاتھوں کو (زیادتی سے) روکے رکھو“۔

۳ شعائر اللہ اور اس کے آداب و احکام

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحِلُّوا۟ شَعَـٰٓئِرَ ٱللَّهِ ۔[3]

”اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو“۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 بَنِي إِسْرَائِيلَ 34:17

2 مسند احمد، رقم الحدیث: 22756

3 المائدۃ [2]

"شعائر" ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے کسی نہ کسی قسم کا کوئی خاص تعلق ہو اور اس تعلق کی بناپر ان کی خاص عزت و تکریم کی جاتی ہو۔ شعائر اللہ۔ عرف شریعت میں عبادات کے مکانات اور زمانوں اور علامات کو کہتے ہیں۔ مکاناتِ عبادت جیسے کعبہ۔ عرفہ، مزدلفہ، جمرات ثلاث صفا مروہ۔ منی اور تمام مساجد وغیرہ۔ زمانے (اوقات) جیسے رمضان اور حج کے مہینے۔ عیدین۔ جمعہ اور علامات جیسے اذان، اقامت، نماز باجماعت وغیرہ۔[1]

اس آیت میں لا تحلوا شعائر اللہ کے ارشاد کا یہی حاصل ہے کہ اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو۔ اور شعائر اللہ کی بے حرمتی کی کئی صورتیں ہیں۔ ❶۔ سرے سے ان احکام کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ❷۔ ان پر عمل تو کریں مگر ادھورا کریں۔ ❸۔ مقرر کردہ حدود سے تجاوز کر کے آگے بڑھنے لگیں۔ لا تحلوا شعائر اللہ میں ان تینوں صورتوں سے منع فرمایا گیا ہے۔[2]

بعض لوگ غفلت میں شعائر اللہ کے بارے میں غیر مناسب باتیں کہہ کر اللہ کے عذاب کو دعوت دے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شعائر اللہ سے محبت اور ان کی تعظیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 انوار البیان فی حل لغات القرآن، ج:1 ص:124، سورۃ البقرہ، 158، مکتبہ سید احمد شہید لاہور

2 لَا يَتَجَاوَزُوا حُدُودَهُ وَلَا يُقَصِّرُوا دُونَهَا وَلَا يُضَيِّعُوهَا ...احکام القرآن للجصاص، ج:3 ص:291

پارہ نمبر:7 وَإِذَا سَمِعُوا

أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

① ممنوع سوالات کا حکم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَسۡـَٔلُواْ عَنۡ أَشۡيَآءَ إِن تُبۡدَ لَكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ۔[1]

"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں"۔

اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

1. ایسے سوال سے بچنا چاہیے جن کے جواب سے پریشانی لاحق ہو۔
2. ایسے سوالات سے پرہیز کرنا چاہیے جس کے جواب کی ضرورت نہ ہو، یا جس میں کوئی دینی یا دنیاوی بھلائی نہ ہو۔
3. بیان کرنے والے نے جن امور کو قصداً بیان نہ کیا ہو، ان کے بارے میں سوال کرنا درست نہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ۔[3]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 المائدۃ [101]

2 احکام القرآن للجصاص، ج:4 ص:150

3 الصحیح لمسلم، رقم الحدیث:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین امور کو ناپسند کیا ہے قیل و قال (سنی سنائی ہانکنا)، مال کو ضائع کرنا، کثرت سوال"۔

قیل و قال سے مراد: ایسی کلام کی زیادتی مراد ہے جو بے فائدہ ہو اور لوگوں کے لایعنی احوال اور خبروں میں غور و خوض کرنا ہو۔[1]

مال کو ضائع کرنا: یعنی غیر شرعی کاموں میں صرف کرنا اور فضول خرچی میں اڑانا۔ مال ضائع کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ فساد ڈالتا ہے اور اللہ رب العزت فسادیوں کو پسند نہیں کرتا، کیوں کہ جب کوئی اپنا مال ضائع کرے گا تو پھر وہ لوگوں کے مال کے درپے ہو گا اور اسے چھیننے کی کوشش کرے گا۔

کثرت سوال: اس میں کئی چیزیں شامل ہیں

- بغیر ضرورت کے فضول قسم کے سوالات کی کثرت کرنا۔ سلف اسی حرکت کو ناپسند کرتے اور ممنوع تکلف شمار کرتے ہیں۔ اس سے مسئول کو تنگی محسوس ہوتی ہے۔
- لوگوں سے اشیاء اور مال طلب کرنا، رسول اکرم ﷺ نے اس حرکت سے بھی منع فرمایا ہے۔
- کسی سے اس کے حالات اور اس کے معاملات کی تفصیل کے متعلق زیادہ سوالات کرنا۔
- شریعت نے جن امور کو غیب کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور ان کی کیفیت جانے بغیر ان

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] فَهُوَ الخوض فِي أخبار الناس وحكايات مالا يَعْنِي مِنْ أَحْوَالِهِمْ وَتَصَرُّفَاتِهِمْ...شرح النووی، ج:12ص:11

پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے، ان کے متعلق کھود کرید کرنا۔[1]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 وَأَمَّا كَثْرَةُ السُّؤَالِ فَقِيلَ الْمُرَادُ بِهِ الْقَطْعُ فِي الْمَسَائِلِ وَالْإِكْثَارُ مِنَ السُّؤَالِ عَمَّا لَمْ يَقَعْ وَلَا تَدْعُو إِلَيْهِ حَاجَةٌ وَقَدْ تَظَاهَرَتِ الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ بِالنَّهْيِ عَنْ ذَلِكَ وَكَانَ السَّلَفُ يَكْرَهُونَ ذَلِكَ وَيَرَوْنَهُ مِنَ التَّكَلُّفِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ وَفِي الصَّحِيحِ كَرِهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا وَقِيلَ الْمُرَادُ بِهِ سُؤَالُ النَّاسِ أَمْوَالَهُمْ وَمَا فِي أَيْدِيهِمْ وَقَدْ تَظَاهَرَتِ الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ بِالنَّهْيِ عَنْ ذَلِكَ وَقِيلَ يَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ كَثْرَةُ السُّؤَالِ عَنْ أَخْبَارِ النَّاسِ وَأَحْدَاثِ الزمان ومالا يَعْنِي الْإِنْسَانَ وَهَذَا ضَعِيفٌ لِأَنَّهُ قَدْ عُرِفَ هَذَا مِنَ النَّهْيِ عَنْ قِيلَ وَقَالَ وَقِيلَ يَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ كَثْرَةُ سُؤَالِ الْإِنْسَانِ عَنْ حَالِهِ وَتَفَاصِيلِ أَمْرِهِ فَيَدْخُلُ ذَلِكَ فِي سُؤَالِهِ عَمَّا لَا يَعْنِيهِ وَيَتَضَمَّنُ ذَلِكَ حُصُولُ الْحَرَجِ فی حق المسؤل فَإِنَّهُ قَدْ لَا يُؤْثِرُ إِخْبَارَهُ بِأَحْوَالِهِ فَإِنْ أَخْبَرَهُ شَقَّ عَلَيْهِ وَإِنْ كَذَبَهُ فِي الْإِخْبَارِ أَوْ تَكَلَّفَ التَّعْرِيضَ لَحِقَتْهُ الْمَشَقَّةُ وَإِنْ أَهْمَلَ جَوَابَهُ ارْتَكَبَ سُوءَ الْأَدَبِ

۲ اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی ضرورت

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهْتَدَيْتُمْ ۔[1]

"اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر ہوگے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتے"۔

توضیح الآیۃ: کسی شخص کو اس وقت تک ہدایت یافتہ نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کی فکر نہ کرے۔ہاں اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باوجود لوگ گناہوں سے باز نہ آئیں تو ان کے بارے میں نیک لوگوں سے نہیں پوچھا جائے گا۔[2]

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ , أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ۔[3]

"جب کسی قوم میں کچھ لوگ برائی کریں اور دوسرے لوگ اسے ختم کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور وہ اسے ختم نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوتاہی کی وجہ سے ان سب کو عذاب میں مبتلا کردے۔

لہٰذا ہر آدمی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اصلاح و تربیت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کے لیے فکر مند بھی رہے اور اس کے لیے جس طرح بھی عملی اقدام ہوسکے، کرنے کی کوشش بھی کرتا رہے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 المائدۃ [105]

2 تسهيل البيان في تفسير القرآن، ج:2ص:386

3 سنن أبي داود. كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، رقم الحديث:4338

۳ بری مجالس میں شرکت کا حکم

وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ۚ[1]

"اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں، تو ان سے اس وقت تک کے لیے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں"۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ "اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا شریعت اسلام کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں، اور اس کو بند کرنا یا کرانا یا کم از کم حق بات کا اظہار کرنا اس کے اختیار میں نہ ہو، ہاں اگر ایسی مجلس میں بہ نیت اصلاح شریک ہو اور ان لوگوں کو حق بات کی تلقین کرے تو مضائقہ نہیں"۔

اور آخر آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اس سے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسے ظالم، بے دین اور دریدہ دہن لوگوں کی مجلس میں شرکت کرنا مطلقاً گناہ ہے، خواہ وہ اس وقت کسی ناجائز گفتگو میں مشغول ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں کو ایسی بیہودہ گفتگو شروع کرتے ہوئے دیر کیا لگتی ہے، وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اس میں مطلقاً ظالموں کے ساتھ بیٹھنے کو منع فرمایا گیا ہے، اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ اس وقت بھی ظلم کرنے میں مشغول ہوں۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 الأنعام [68]

2 تفسیر معارف القرآن،احکام القرآن للجصاص،ج:4ص:166

پارہ نمبر:8 وَلَوْ أَنَّنَا

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① لباس اور اس کے احکام

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا۔[1]

"اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے جسم کے ان حصوں کو چھپا سکے جن کا کھولنا برا ہے، اور جو خوشنمائی کا ذریعہ بھی ہے"۔

اس آیت کریمہ میں لباس کے دو اہم مقصد بیان فرمائے گئے ہیں، اس کی روشنی میں ہم اسلامی لباس اور اس کے احکام سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

❶ اللہ تعالیٰ نے لِباس کا ایک مقصد "ستر پوشی" بیان کیا ہے یعنی شرعًا مرد و عورت کے لیے بدن کے جس حصہ کو چھپانا فرض ہے، اس کو ڈھانکنے والا ہو۔ پس ایسے کپڑے جنہیں پہننے کے باوجود بھی انسان کے ستر کے اعضا نہ چھپتے ہوں وہ شرعی لباس نہیں ہے، اگرچہ وہ لِباس دیکھنے میں کتنا ہی خوبصورت اور اور قیمت میں کتنا مہنگا ہی کیوں نہ ہو، اِس لیے کہ اس سے لِباس کا اصل مقصد ہی حاصل نہیں ہوتا۔[2]

اعضاءِ ستر: مَرد کا ستر ناف سے لے کر بشمول گھٹنے تک ہے جب کہ عورت کے لیے ہاتھ، پاؤں اور چہرے کے علاوہ سارا بدن ستر قرار دیا گیا ہے۔[3]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 الأعراف [26]

2 تکملہ فتح الملہم للشیخ مفتی محمد تقی العثمانی، ج:4ص:77

3 ردّ المحتار علی الدر المختار، ج:1ص:404-405)

ستر پوشی میں تین اہم امور

کپڑوں کے ساتِر ہونے (ستر کو چھپانے) کے لیے تین چیزوں کی رعایت بہت ضروری ہے، ان کے بغیر کپڑا ساتِر نہیں ہو سکتا۔

١ مُحیط ہو

یعنی کپڑے کے لیے اعضاء ستر کا اچھی طرح اِحاطہ کرنا ضروری ہے، اِس طرح کہ ستر کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے، کیوں کہ بعض اوقات کپڑا اِس قدر چھوٹا اور مختصر سا ہوتا ہے کہ اُسے پہننے کے باوجود بھی ستر کھلا رہ جاتا ہے، ایسے کپڑے میں "مُحیط" ہونے کی صفت نہیں پائی جاتی، کیوں کہ وہ ستر کا مکمل اِحاطہ نہیں کرتا، لہٰذا اُس کا پہننا جائز نہیں۔

٢ رقیق نہ ہو

یعنی اس قدر رقیق اور باریک نہ ہو کہ پہننے کے بعد بھی جسم جھلکتا ہو۔ یہ بھی کپڑے کا شرعی طور پر ایک بہت بڑا عیب ہے جس کی وجہ سے انسان کپڑا پہننے کے باوجود برہنہ ہوتا ہے۔

٣ لاصق نہ ہو

لاصِق چپکے ہوئے کو کہتے ہیں ، بعض اوقات کپڑا اِس قدر چست اور کَسا ہوا (فٹنگ کا) ہوتا ہے کہ ستر کے اعضاء کی بناوٹ، اُبھار اور نشیب و فراز بالکل واضح اور نمایاں ہو رہے ہوتے ہیں، یہ بھی برہنگی کی ہی ایک شکل ہے، جس کی وجہ سے کپڑے میں ساتِر ہونے کا معنیٰ ختم ہو جاتا ہے۔[1]

----------------حواشی اور حوالہ جات----------------

1 تکملہ فتح الملہم، ج:4ص:77

ستر چھپانے کا حکم: ستر کا چھپانا فرض ہے۔[1] قرآن و حدیث کی بہت سی نصوصِ صریحہ سے اس کی فرضیت ثابت ہے اور یہ وہ پہلا حکم ہے جو اِسلام لانے کے بعد سب سے پہلے انسان کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔[2]

❷ مردوں کے لیے زنانہ اور عورتوں کے لیے مردانہ لباس نہ ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ-[3]

❸ لباس میں اسراف نہ ہو۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «كُلُوا وَاشْرَبُوا وَتَصَدَّقُوا وَالْبَسُوا مَا لَمْ يُخَالِطْهُ إِسْرَافٌ، أَوْ مَخِيلَةٌ-[4]

"کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور کپڑے پہنو، تمھیں اجازت ہے بس اِس بات کا خیال رہے کہ اِسراف اور تکبّر نہیں ہونا چاہیے"۔

لِباس میں اِسراف کی شکلیں

لِباس میں عموماً چار طرح کے بڑے اِسراف پائے جاتے ہیں۔

① اپنی حیثیت سے زائد مہنگے کپڑے بنانا۔

اگر کوئی اپنی حیثیت سے بھی زیادہ خرچہ کرکے مہنگے کپڑے خریدنے میں لگا رہے تو یہ اِسراف کہلاتا ہے، کیونکہ یہ قدرت کی دی ہوئی وسعت سے تجاوز کرنا ہے۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 احکام القرآن للجصاص، ج:4ص:203

2 تفسیر معارف القرآن، ج:3ص:534

3 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4098

4 سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 3605

تحقیق الاسناد: قال الشیخ شعیب الأرنؤوط إسنادہ حسن---سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 3605

٢ حد سے زیادہ کپڑے بنانا

بعض لوگوں کے پاس کپڑوں کے گٹھر کے گٹھر جمع ہو جاتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات کپڑوں کی کثرت کا یہ عالَم ہوتا ہے کہ اُنہیں پہننے کی نوبت بھی نہیں آتی، لیکن اس کے باوجود مزید کی دوڑ دھوپ ختم نہیں ہوتی۔

٣ ناجائز کپڑے پہننا

ایسا کپڑا جس کے پہننے سے شریعت نے منع کیا ہے، اُس کا پہننا بھی اِسراف ہے۔

٤ کپڑوں کو ضائع کرنا

کپڑوں کے بارے میں اِسراف کی ایک شکل "اِضاعتِ مال" بھی اختیار کی جاتی ہے، یعنی مال کو ضائع کرنا، اور وہ اِس طرح کہ کپڑوں کو بسا اوقات ضائع کر دیا جاتا ہے، مثلاً: کپڑے اِستعمال کرنے کے بعد پھینک دینا، جلا دینا، پھاڑ دینا، کپڑوں میں ایسا کوئی بھی تصرّف کرلینا جس کے بعد وہ کسی کے لیے بھی قابلِ استعمال نہ رہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب صورتیں کپڑوں کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے، حالانکہ اگر یہی کپڑے جن کے استعمال سے انسان مستغنی ہو چکا ہے، اگر کسی غریب کو دیدیے جاتے تو اُس کے بدن ڈھانپنے، ستر چھپانے کے کام آسکتا تھا، بلکہ بعض اوقات تو اِس قدر اہم اور قیمتی کپڑے ضائع کر دیے جاتے ہیں کہ کسی غریب اور متوسط کے لیے وہ کپڑے زینت و تجمّل اختیار کرنے کا کام بھی دے سکتے تھے۔[1]

٤ لباس میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ نہ ہو۔

عن ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -ﷺ-: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ-[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 لباس کے اسلامی آداب و مسائل، ص: 81-82

2 سنن ابی داؤد.رقم الحدیث:20986

٥ لباس دوسروں پر فخر، غرور اور دوسروں کی تحقیر کے لیے نہ پہنے۔[1]

٦ مرد شلوار، پائجامہ یا تہبند وغیرہ اتنا نیچے نہ پہنیں کہ ٹخنے یا ٹخنوں کا کچھ حصہ چھپ جائے اور نہ ہی خواتین شلوار وغیرہ اتنی اونچی پہنیں کہ ان کے ٹخنے ظاہر ہو جائیں۔۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا أَسْفَلَ مِنَ الكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَفِي النَّارِ-[2]

واضح رہے مرد کے لیے اپنے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے رکھنا تکبر کے طور پر ہو تو بھی درست نہیں اور اگر تکبر نہ ہو، پھر بھی درست نہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبطی (قبطیوں کا تیار کردہ) کپڑا پہنایا اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک دھاری دار جوڑا پہنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں نے کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھے کندھوں سے پکڑ کر اِرشاد فرمایا: اے ابنِ عمر! کپڑوں کا جو بھی حصہ زمین کو لگتا ہے وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔[3]

٧ مردوں کے لیے خالص سرخ یا زعفرانی رنگ کا کپڑا مکروہ ہے، البتہ سرخ کے ساتھ کسی اور رنگ کی بھی آمیزش ہو تو جائز ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ، وَالْمُعَصْفَرِ-[4]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 3605

تحقیق الاسناد: قال الشیخ شعیب الأرنؤوط إسنادہ حسن۔۔۔ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 3605

2 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 5787

3 عن ابْنِ عُمَرَ يَقُولُ: كَسَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ قُبْطِيَّةً، وَكَسَا أُسَامَةَ حُلَّةً سِيَرَاءَ قَالَ: فَنَظَرَ فَرَآنِي قَدْ (1) أَسْبَلْتُ، فَجَاءَ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِي وَقَالَ: يَا ابْنَ عُمَرَ، كُلُّ شَيْءٍ مَسَّ الْأَرْضَ (2) مِنَ الثِّيَابِ فَفِي النَّارِ۔۔۔ مسند احمد، رقم الحدیث: 5727

4 الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: 2078

❽ مردوں کے لیے خالص ریشمی لباس نہ ہو۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «حُرِّمَ لِبَاسُ الحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ-[1]

❾ کپڑے شہرت، اور تکبر کے لیے نہ پہنے جائیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: " مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ، أَلْبَسَهُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ-[2]

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اُسے آخرت میں ذلّت کا لباس پہنائیں گے"۔

لِباسِ شہرت: اُس لِباس کو کہا جاتا ہے جس کو لوگوں کو دکھانے کے لئے پہنا جائے، خواہ فخر و غرور کے طور پر ہو یا زہد و تقویٰ کے ظاہر کرنے کی غرض سے ہو۔[3]

لِباسِ شہرت کی مُختلف صورتیں ہیں

① ایسا لِباس جس کا پہننا ہی سرے سے جائز نہ ہو۔

② ایسا لِباس جس کے پہننے سے مقصود فخر و غرور اور نام کمانا ہو۔

③ ایسا لِباس جس کے ذریعہ فقراء پر اپنی برتری کا اظہار مقصود ہو۔

④ ایسا لِباس جس کے ذریعے لوگوں کو ہنسانا مقصود ہو۔

⑤ ایسا لِباس جس کے ذریعہ اپنے زُہد، عمل اور تقویٰ کا اِظہار مقصود ہو۔ جیسے پیوند لگے ملکے درجے کا کپڑا اِس غرض سے پہنا جائے کہ لوگ صوفی اور زاہد کہیں گے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 سنن الترمذی، رقم الحدیث: 1720

2 مسند احمد، رقم الحدیث: 6244

3 بذل المجهود في حل سنن أبي داود، ج:16ص:356

ⓔ ایسا لِباس جو کسی منصب اور مقام کی علامت ہو اور انسان نااہل ہونے کے باوجود اُس لِباس کو اِس لئے اختیار کرے تا کہ لوگ اُسے اُس مقام و منصب کا حامل سمجھیں۔ جیسے: جاہل ہونے کے باوجود فقہاء کا لِباس پہننا، عامی ہونے کے باوجود رئیس اور سید جیسا لِباس پہننا۔[1]

❿ تصویروں والے کپڑے نہ ہوں

ایسے کپڑے کا اِستعمال کرنا حرام ہے جس پر کسی جاندار کی تصویر بنی ہو، ہاں! اگر کسی غیر جاندار مثلاً درخت اور پہاڑ وغیرہ کی تصویر بنی ہو تو جائز ہے۔[2]

تنبیہ ....: بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کپڑوں میں تصویر صرف نماز کی حالت میں منع ہے، چنانچہ اُنہیں جب تصویر والے کپڑوں سے منع کیا جاتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نماز تھوڑی پڑھ رہے ہیں، حالانکہ یہ کہنا غلط ہے، تصویر والے کپڑے پہننا مطلقاً حرام ہے، اور نماز میں تو اس کی قباحت و شناعت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔[3]

لباس کے حوالے سے آخر میں ایک بات یاد رکھ لیں کہ سابقہ تفصیل کے مطابق اچھے کپڑے پہننا اور کپڑوں کی صفائی کا خیال رکھنا نہ تو تکبر ہے اور نہ ہی سنت کے خلاف ہے۔

حدیث میں ہے:

إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً، قَالَ: «إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ۔[4]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 لباس کے اسلامی آداب و مسائل، ص:85 بحوالہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح

2 وَهَذِهِ الْكَرَاهَةُ تَحْرِيمِيَّةٌ وَظَاهِرُ كَلَامِ النَّوَوِيِّ فِي شَرْحِ مُسْلِمٍ الْإِجْمَاعُ عَلَى تَحْرِيمِ تَصْوِيرِهِ صُورَةَ الْحَيَوَانِ..............فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ حَرَامًا لَا مَكْرُوهًا۔۔۔البحر الرائق، ج:2ص:29

3 وَفِي الْخُلَاصَةِ وَتُكْرَهُ التَّصَاوِيرُ عَلَى الثَّوْبِ صَلَّى فِيهِ أَوْ لَمْ يُصَلِّ۔۔۔البحر الرائق، ج:2ص:29

4 الصحیح لمسلم، رقم الحدیث:91

"ایک شخص کہنے لگا: مرد پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو ؟ تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالی جمیل و خوبصورت ہے اور خوبصورتی و جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے"۔

۲ ہم جنس پرستی(homosexuality)کا حکم

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ أَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ ٱلنِّسَآءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾ الأعراف [80-82]

"اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہاں کے کسی شخص نے نہیں کی؟ تم جنسی ہوس پوری کرنے کے لیے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو۔ (اور یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں) بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ (شرافت کی) تمام حدیں پھلانگ چکے ہو"۔

وادی اردن کی بستی "سدوم" کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ یہ لوگ کفر و شرک کے علاوہ لواطت جیسی خبیث ترین بیماری، جو ان سے پہلے دنیا میں نہیں پائی گئی تھی، میں مبتلا تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انھیں توحید کی دعوت دی اور اس مہلک اخلاقی مرض سے بھی نجات دلانے کی کوشش کی، لیکن انھوں نے ان کی ایک نہ سنی، ان کا مذاق اڑایا اور اپنے خبث ظاہر و باطن پر اصرار کیا۔ جب لوط علیہ السلام کو اس بستی سے نکال دینے کی دھمکی دی تو اللہ کا عذاب ان پر واجب ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی پر پتھروں کی بارش کر دی اور پھر انھیں الٹ دیا اور اس طرح تمام کے تمام لوگ ہلاک ہو گئے۔ صرف لوط علیہ السلام اور ان کے چند مومن ساتھی بچ گئے، جو اللہ کے حکم سے پہلے ہی اس بستی سے نکل گئے تھے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ لواطت اور ہم جنس پرستی حرام ہے، اس کی حرمت شرعاً، عقلاً اور طبعاً ثابت ہے۔

ہم جنس پرستوں پر رسول اللہ ﷺ کی لعنت

رسول اللہ ﷺ نے لواطت کرنے والوں پر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے، حدیث میں ہے:

لَعَنَ اللهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ، لَعَنَ اللهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ ، ثَلاثًا -[1]

"اللہ اس آدمی پر لعنت کرے جو قومِ لوط والا عمل کرے اور یہ بات آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمائی"۔

ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنے کا حکم

جس طرح لواطت حرام ہے اسی طرح ہاتھوں سے چھیڑ چھاڑ کرنا اور ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو دیکھنا ہاتھ لگانا اور اس سے کھیلنا یا جسم کے اور کسی حصہ کو بغرضِ شہوت ہاتھ لگانا یا چھیڑ چھاڑ کرنا یا دیکھنا سب امور شریعت کی نگاہ میں حرام ہیں کیوں کہ یہ امور لواطت کے اسباب ہیں اور غیر محل میں شہوت کے تقاضہ کو پورا کرنے کے معنیٰ اس میں بدرجۂ اتم موجود ہیں اس لیے یہ امور بھی شرعاً حرام ہیں۔[2]

امریکہ اور یورپ کی اقوام نے ہم جنس پرستی کو جائز قرار دے کر مرد کی مرد اور عورت کی عورت کے ساتھ شادی کو قانونی تحفظ دے رکھا ہے۔ اب ان کی کوشش یہ ہے کہ مسلم

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 مسند احمد، رقم الحدیث: 2913

2 لَا يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا فِي الْوَطْءِ لَا يَجُوزُ فِي الدَّوَاعِي مِنْ اللَّمْسِ وَالتَّقْبِيلِ وَالنَّظَرِ إلَى الْفَرْجِ عَنْ شَهْوَةٍ؛ لِأَنَّ الدَّوَاعِيَ إلَى الْحَرَامِ حَرَامٌ۔۔۔۔ردالمحتار، ج:2ص:264

معاشرے میں بھی اس فعل کو جرم نہ سمجھا جائے اور اس کے لیے وہ اپنے تمام وسائل استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق پر قائم رہنے کی اور اس گندی تہذیب کو کچلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۳ معاملات میں دیانتداری کا حکم

فَأَوۡفُواْ ٱلۡكَيۡلَ وَٱلۡمِيزَانَ وَلَا تَبۡخَسُواْ ٱلنَّاسَ أَشۡيَآءَهُمۡ ۔ [1]

"ناپ تول پورا پورا کیا کرو اور جو چیزیں لوگوں کی ملکیت میں ہیں ان میں ان کی حق تلفی نہ کرو"۔

اس آیت سے کئی چیزیں واضح ہوئیں:

❶ آپس کے مالی معاملات میں دیانتداری فرض ہے یعنی دوسروں کو ان کا پورا حق دینا اور انہیں دھوکہ، فریب اور چالاکی سے مالی نقصان پہنچانا حرام ہے۔

❷ لین دین کرتے ہوئے چیزوں کے عیب کو چھپانا اور خریدار پر ظاہر نہ کرنا حرام ہے۔ فروخت ہونے والی شئ میں اگر عیب ہو تو خریدار کو مطلع کرنا ضروری ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم و ستم مسلط کر دیا جاتا ہے۔ [2]

❸ ایکسپائر (expire) یعنی زائد المیعاد چیزیں بیچنا حرام ہے، کیونکہ ایکسپائر چیزیں عموماً مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 الأعراف [85]

2 سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب العقوبات، رقم الحديث: 4019
تحقيق الاسناد: قال الشيخ شعيب إسناده صحيح۔ حاشية ابن ماجه

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ، مَنْ ضَارَّ ضَارَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ.»[1]

”نہ ضرر لو، نہ ضرر دو، جو ضرر دے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرر دیں گے اور جو مشقت دے گا، اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈال دیں گے“۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: 2345

پارہ نمبر:9 قَالَ الْمَلَأُ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① اخلاقِ حسنہ کا حکم

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾[1]

"درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو"۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ:

❶ دینِ اسلام نے اگرچہ حقوق یا ان کا بدلہ لینے کی اجازت دی ہے، حقوق کا تعلق خواہ مال سے ہو یا بدن سے یا عزت سے ہو یا اعضاء کی اذیت سے، بہر صورت بدلہ لینا جائز ہے مگر اپنے حقوق کو معاف کر دینا اعلیٰ اخلاق کا حصہ ہے اور آیت کریمہ میں اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔

❷ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے دوست زیادہ ہوں اور دشمن مطیع ہوں، اسے چاہیے کہ حسنِ اخلاق اور محاسنِ اعمال اختیار کرے اور جاہلوں اور بے وقوفوں سے الجھنا چھوڑ دے۔

اعلیٰ اخلاق کی ایک حسین مثال

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ آئے اور اپنے بھتیجے حر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرے اور حر، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشیروں میں سے تھے اور سیدنا عمر کے مشیر قرآن کریم کے عالم اور قاری ہوتے تھے، خواہ وہ ادھیڑ عمر ہوں یا جوان۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] الأعراف [199،]

عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا، اے میرے بھتیجے! تجھے اس امیر کے ہاں خاص قرب حاصل ہے، لہٰذا میرے لیے بھی ان سے ملاقات کی اجازت لو، انھوں نے جواب دیا، میں آپ کے لیے ضرور اجازت لینے کی کوشش کروں گا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حر رحمۃ اللہ علیہ نے عیینہ کے لیے اجازت مانگی تو سیدنا عمر نے اجازت دے دی، جب وہ اندر داخل ہوئے تو سیدنا عمر سے کہنے لگے، اے ابن خطاب! اللہ کی قسم! تو ہمیں نہ زیادہ عطیے دیتا ہے اور نہ ہمارے بارے میں عدل سے فیصلے کرتا ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوگئے، حتیٰ کہ انھوں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا، تو حر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی خدمت میں عرض کی، امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۔

"درگزر اختیار کر اور نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کر" اور یہ شخص بھی جاہلوں میں سے ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، اللہ کی قسم! جس وقت حر نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی، تو سیدنا عمر اسے سننے کے بعد ذرا بھی آگے نہ بڑھے (ان کا غصہ جاتا رہا) اور اللہ کی کتاب کے سامنے سیدنا عمر کی یہی حالت ہوتی تھی۔[1] اللہ اکبر کبیرا

کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی برکت سے اخلاقِ کریمہ کا کچھ حصہ عطا فرمادے۔ آمین۔

٢ مقتدی کے لیے قراءت کرنے کا حکم

وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 الصحیح للبخاری، کتاب التفسیر، رقم الحدیث: 4642

2 الأعراف [204]

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت ہو“۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ :جب قرآن کریم پڑھا جائے تو خاموشی کے ساتھ سننا ضروری ہے، خواہ نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ۔

اب اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے صرف دو احادیث بھی پیش کر دیتے ہیں تا کہ قرآن کریم کی آیت کی تفسیر حدیث مبارک سے ہو جائے۔

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذْ قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، فَقُولُوا آمِينَ عَنْ قَتَادَةَ وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا۔ [1]

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنی صفوں کو درست کرلو، پھر تم میں سے کوئی امامت کرے ،جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ ”غیر المغضوب علیہم ولا الضّالین“ کہے تو تم آمین کہو اور قتادہ سے یہ الفاظ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب (امام) قرآت کرے تو تم خاموش رہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ-[2]

-------------------حواشی اور حوالہ جات-------------------

1 الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: 404، بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الصَّلَاةِ

2 سنن النسائی، رقم الحدیث: 921، تَأْوِيلُ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: {وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} [الأعراف: 204]

تحقیق الاسناد: شیخ البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ صحیح الجامع، رقم الحدیث: 2358

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ امام اس لیے بنایا گیا ہے، تاکہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو“۔

قرآن و احادیث کے ان دلائل سے واضح ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سری جہری کسی بھی نماز میں قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ یہ مسلک قرآن و حدیث و آثار صحابہ سے مؤید اور ثابت ہے۔[1]

بعض لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے سورۃ فاتحہ پڑھتے رہتے ہیں، اس سے انہیں بچنا چاہیے۔

۳ ابتلائے عام کے اسباب اور ان سے بچاؤ کی تدبیر

وَٱتَّقُواْ فِتۡنَةٗ لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمۡ خَآصَّةٗۖ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ ﴿٢٥﴾[2]

”اور ڈرو اس وبال سے جو تم میں سے صرف ان لوگوں پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہو گا اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے“۔

یعنی فرض کیجیے! ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وطیرہ اختیار کر لیا، کچھ لوگ جو اس سے علیحدہ رہے انھوں نے مداہنت برتی، نہ نصیحت کی نہ اظہار نفرت کیا تو یہ وہ فتنہ ہے جس کی

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 (وَالْمُؤْتَمُّ لَا يَقْرَأُ مُطْلَقًا) وَلَا الْفَاتِحَةَ فِي السِّرِّيَّةِ اتِّفَاقًا ....الدر المختار مع رد المحتار، ج:1ص: 544، دار الافتاء دیوبند، جواب نمبر: 146511

2 الأنفال [25]

لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مداہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئے گا تو حسب مراتب سب اس میں شامل ہوں گے کوئی نہ بچے گا۔[1]

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ

❶ خدا اور سول کی حکم برداری کے لیے خود تیار رہو۔

❷ نافرمانوں کو نصیحت و فہمائش کرو نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو۔[2]

❸ ترہیب اور تبلیغ کے باوجود اگر برے لوگ برائی ترک نہ کریں تو اپنی سلامتی کے لیے وہاں سے ہجرت کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ بعض گناہ شخصی ہوتے ہیں، لیکن کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کے وبال میں پورا معاشرہ گرفتار ہو جاتا ہے۔[3]

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْ عِنْدِهِ، ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ۔[4]

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے، یا پھر اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا، پھر تم اس سے دعا کرو گے مگر وہ تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر عثمانی

2 تفسیر عثمانی

3 وَإِذَا لَمْ تُغَيِّرْ وَجَبَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ الْمُنْكِرِينَ لَهَا بِقُلُوبِهِمْ هِجْرَانُ تِلْكَ الْبَلْدَةِ وَالْهَرَبُ مِنْهَا....تفسیر القرطبی، ج:7ص:392

4 مسند أحمد، رقم الحدیث: 23301

پارہ نمبر:10 وَاعْلَمُوا

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

١ زکوۃ ادا نہ کرنے کا حکم

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۔ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۔ التوبة [34، 35]

"اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، اب چکھو اس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے"۔

توضیح الآیۃ

جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں)۔

بخیل دولت مند سے جب خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں زیادہ کہو تو اعراض کر کے ادھر سے پہلو بدل لیتا ہے۔ اگر اس پر بھی جان نہ بچے تو

پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔ اس لیے سونا چاندی تپا کر ان ہی تین موقعوں (پیشانی، پہلو، پیٹھ) پر داغ دیے جائیں گے تاکہ اس کے جمع کرنے اور گاڑھنے کا مزہ چکھ لے۔[1]

اس آیت سے واضح ہوا کہ مال و دولت کا حق یہ ہے کہ اس سے وابستہ تمام حقوق ادا کیے جائیں، وگرنہ یہ دنیا و آخرت میں تباہی کا ذریعہ اور گھاٹے کا سامان ہے۔

زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے خوفناک عذاب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوۃ ادا نہ کی تو روز قیامت اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں (اس کے پاس لایا جائے گا)، جس کی پیشانی پر کشمش کی طرح کے دو سیاہ نشان ہوں گے۔ قیامت کے دن وہ سانپ اس کے لیے طوق بنادیا جائے گا، پھر وہ اس کے دونوں جبڑوں کو کاٹے گا اور کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ "پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ‌ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ‌ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ)[2] "اور وہ لوگ جو اس میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے، ہرگز گمان نہ کریں کہ وہ ان کے لیے اچھا ہے، بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے، عنقریب قیامت کے دن انھیں اس چیز کا طوق پہنایا جائے گا"۔[3]

جہنم کی سلاخیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بھی شخص جو سونے یا چاندی کا مالک ہو، اس سے اس کا حق ادا نہ کرے، اس کے لیے قیامت کے دن آگ سے (اس سونے یا چاندی کی) سلاخیں یا تختے

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر عثمانی

2 [آل عمران:180]

3 الصحیح للبخاری، کتاب الزکوۃ، باب إثم مانع الزکوۃ۔۔الخ، رقم الحدیث:1403

بنائے جائیں گے، پھر جہنم کی آگ میں انھیں خوب گرم کرکے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا، جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انھیں دوبارہ گرم کر لیا جائے گا، ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے، تو وہ جنت یا آگ کی طرف اپنا راستہ دیکھ لے "۔[1]

۲ عذر کے قابل قبول ہونے کی شرط

وَلَوْ أَرَادُوا۟ ٱلْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا۟ لَهُۥ عُدَّةً۔التوبة [46]

"اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو اس کے لیے انھوں نے کچھ نہ کچھ تیاری کی ہوتی"۔

توضیح الآیۃ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنگ تبوک سے رہ جانے والے منافقین کا تذکرہ کیا ہے۔جب حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم واپس آئے تو اب منافقین نے عذر بیانیاں شروع کر دیں۔ ان میں سے بعض کہنے لگے حضور ہم تو جہاد کے لیے بالکل تیار تھے لیکن عین وقت پر کچھ ایسی مجبوریاں رونما ہو گئیں کہ بادل ناخواستہ ہمیں رکنا پڑا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظالم سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر ان کا قول درست تھا تو انھوں نے کچھ نہ کچھ تیاری کی ہوتی۔ کچھ ساز و سامان جمع کیا ہوتا تو پتہ چلتا کہ ان کا ارادہ تو تھا لیکن مجبوریاں سد راہ بن گئیں۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ انسان کا کوئی عذر اس وقت مانا جا سکتا ہے جب اس نے اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش اور تیاری پوری کی ہو، پھر کوئی غیر اختیاری وجہ ایسی پیش آگئی ہو جس کی بنا پر وہ اپنا فریضہ ادا نہیں کر سکا۔ لیکن کسی قسم کی کوشش اور تیاری کے بغیر یہ کہہ دینا کہ ہم معذور ہیں، قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی شخص فجر کے وقت بیدار ہونے کی تیاری

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] الصحیح لمسلم، الزکوۃ، باب إثم مانع الزکوۃ، رقم الحدیث:987

پوری کرے، الارم لگائے، یا کسی کو بیدار کرنے پر مقرر کرے، پھر آنکھ نہ کھلے تو بیشک معذور ہے، لیکن تیاری کچھ نہ کی ہو، اور پھر آنکھ نہ کھلنے کا عذر پیش کرے تو یہ عذر معتبر نہیں ہے۔[1]

۳ مستحقِ زکوۃ کی تحقیق کا حکم

إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ ۔ التوبة [60]

"صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا"۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر:60 میں اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے مصارف کو متعین کیا ہے اور وہ آٹھ ہیں۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ زکوۃ نکالنا الگ ذمہ داری ہے اور مستحق تک پہنچانا الگ ذمہ داری ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں کو چاہیے کہ زکوٰۃ چاہے کسی فرد کو دیں یا کسی ادارہ کو؟ اچھی طرح تحقیق کرلیں کہ کیا واقعی یہ شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے؟ کیا یہ ادارہ واقعتاً موجود ہے؟ ان کے یہاں زکوۃ کے مدات ہیں یا نہیں؟ اگر خود تحقیق نہ کر سکیں تو معتبر لوگوں اور اداروں کی تحقیق پر بھروسہ کرنے کی گنجائش ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ خود تحقیق کرکے مطمئن ہو جائیں، اگر بلا تحقیق زکوٰۃ دے دی، حالاں کہ وہ شخص یا ادارہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 توضیح القرآن، از مفتی محمد تقی عثمانی

2

١ (دفع بتحر) لمن يظنه مصرفا (فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربي، ولو مستأمنا أعادها) لما مر (وإن بان غناه أو كونه ذميا أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي لا) يعيد، لانه أتى بما في وسعه، حتى لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ۔۔۔ردالمحتار، ج:1ص:138

٢ زکوٰۃ کے مصارف اور موجودہ حالات – مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

https://www.madarisweb.com

پارہ نمبر: 11 يَعْتَذِرُونَ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① ہر قوم میں سے کچھ لوگوں کے لیے علم دین کے لیے نکلنے کا حکم

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۔[1]

" ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (علم دین کے لیے) نکلا کرے، تاکہ وہ دین کی سمجھ پیدا کرے اور جب واپس جائے تو اپنی قوم کو خبردار کرے تاکہ وہ (گناہوں سے) بچتے رہیں۔

توضیح الآیۃ: یعنی مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا گھربار چھوڑے اور مراکز علم میں جاکر اسے حاصل کرے اور پھر آکر اپنی قوم میں وعظ و نصیحت کرے۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 التوبة [122]

2 وَالَّذِی يَظْهَرُ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ إِنَّمَا جَاءَتْ لِلْحَضِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ وَالتَّفَقُّهِ فِي دِينِ اللَّهِ، وَأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ أَنْ يَرْحَلَ الْمُؤْمِنُونَ كُلُّهُمْ فِي ذَلِكَ فَتَعْرَى بِلَادُهُمْ مِنْهُمْ وَيَسْتَوْلِي عَلَيْهَا وَعَلَى ذَرَارِيِّهِمْ أَعْدَاؤُهُمْ، فَهَلَّا رَحَلَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ لِلتَّفَقُّهِ فِي الدِّينِ وَلِإِنْذَارِ قَوْمِهِمْ؟ فَذَكَرَ الْعِلَّةَ لِلنَّفِيرِ وَهِيَ التَّفَقُّهُ أَوَّلًا، ثُمَّ الْإِعْلَامُ لِقَوْمِهِمْ بِمَا عَلِمُوهُ مِنْ أَمْرِ الشَّرِيعَةِ أَيْ: فَهَلَّا نَفَرَ مِنْ كُلِّ جَمَاعَةٍ كَثِيرَةٍ جَمَاعَةٌ قَلِيلَةٌ مِنْهُمْ فَكَفَوْهُمُ النَّفِيرَ؟ وَقَامَ كُلٌّ بِمَصْلَحَةٍ هَذِهِ بِحِفْظِ بِلَادِهِمْ، وَقِتَالِ أَعْدَائِهِمْ، وَهَذِهِ لِتَعَلُّمِ الْعِلْمِ وَإِفَادَتِهَا الْمُقِيمِينَ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر قبیلہ عرب کے لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر دین سیکھتے اور پوچھتے کہ انھیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ آپ انھیں اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم فرماتے اور یہ ذمہ داری دے کر بھیجتے کہ وہ اپنی قوم میں جاکر نماز وزکوۃ کا سلسلہ قائم کریں۔[1]

اس آیت سے کئی احکام واضح ہوئے:

❶ دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: " طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ-[2]

فرضیت کی دو نوعیتیں ہیں۔① ہر مسلمان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں جن امور سے واسطہ پڑتا ہے ، ان امور کا شرعی حکم معلوم کرنا اس پر فرض ہے ،مثلاً: نماز کے فرائض،واجبات،اوقات کا علم،وضو،غسل کے مسائل،روزہ کے فرائض،مفسدات،اگر مالدار ہے توزکوۃ کے مسائل،حج لازم ہونے کی صورت میں اس کے احکام، تجارت وغیرہ کررہا ہے تو اس کے

-------------------حواشی اور حوالہ جات-------------------

وَمُنَاسَبَةُ هَذِهِ الْآيَةِ لِمَا قَبْلَهَا أَنَّ كِلَا النَّفِيرَيْنِ هُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِحْيَاءِ دِينِهِ هَذَا بِالْعِلْمِ، وَهَذَا بِالْقِتَالِ. قَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ: لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ، لِيَتَكَلَّفُوا الْفَقَاهَةَ فِيهِ، وَيَتَجَشَّمُوا الْمَشَاقَّ فِي أَخْذِهَا وَتَحْصِيلِهَا. وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ، وَلِيَجْعَلُوا غَرَضَهُمْ وَمَرْمَى هِمَّتِهِمْ فِي التَّفَقُّهِ إِنْذَارَ قَوْمِهِمْ وَإِرْشَادَهُمْ وَالنَّصِيحَةَ لَهُمْ. لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ إِرَادَةَ أَنْ يَحْذَرُوا اللَّهَ تَعَالَى، فَيَعْمَلُوا عَمَلًا صَالِحًا۔۔۔البحر المحيط للاندلسی، ج:5ص:526

1 مسند الشاميين، ج:3ص:326،الرقم: 2413، السنن الصغير للبيهقي، الرقم: 2783، الإيماء إلى زوائد الأمالي والأجزاء - زوائد الأمالي والفوائد والمعاجم والمشيخات على الكتب الستة والموطأ ومسند الإمام أحمد، ج:3ص:546، الرقم: 2932تفسير ابن كثير، ج:4ص:207، تفسير الطبرى، ج:12ص:80،

2 سنن ابن ماجه، رقم الحديث: 224، صَحِيح الْجَامِع: 3913

احکام کا سیکھنا فرض ہے۔ ②۔ شریعتِ مطہرہ کے تمام مسائل جن کا انسانی زندگی میں واسطہ پڑ سکتا ہے، ان کا سیکھنا فرض کفایہ ہے۔[1]

❷ علم حاصل کرنے کے لیے سفر کی ضرورت پڑے تو سفر کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص طلب علم کے لیے نکلتا ہے تو اللہ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کرتا ہے۔[2]

دینی مدارس علم کے روشن منار

آپ نے سمجھ لیا کہ اس آیت میں علم دین حاصل کرنے کے لیے کسی جگہ جا کر قرآن و سنت کا سمجھنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کا فریضہ مدارس دینیہ سر انجام دے رہے ہیں۔ اس لیے ہماری لیے ضروری ہے کہ ہم ان کی مالی و اخلاقی اعانت کریں۔

② مسجد البیت کا حکم

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَٱجْعَلُوا۟ بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً - یونس [87]

"اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی پر وحی بھیجی کہ: تم دونوں اپنی قوم کو مصر ہی کے گھروں میں بساؤ، اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ بنالو۔ اور (اس طرح) نماز قائم کرو"۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] واعلم أن كل علم يتوصل به إلى فرض عين فتحصيله فرض عين, كالعلم المتعلق بمعرفة الله تعالى والصلاة والزكاة والصوم والحج ومعرفة الحلال والحرام ونحو ذلك, وما يتوصل به إلى فرض الكفاية فتحصيله فرض كفاية۔۔۔ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح, ص:11

[2] سنن ابی داؤد, رقم الحدیث: 3641, بَابُ الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ

توضیح الایۃ: فرعون نے مسجدیں اور عبادت گاہیں خراب کردی تھیں کوئی باہر نکل کر خدا کی عبادت نہ کرسکتا تھا۔ بحالت مجبوری حکم ہوا کہ مکان میں کوئی جگہ نماز کے لیے رکھو جو قبلہ رو ہو۔ نماز ترک مت کرو کہ اسی کی برکت سے خدا کی مدد آتی ہے۔[1]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ :گھر کے کسی کمرہ کو نماز، ذکراور تعلیم کے لیے مخصوص کرلیناچاہیے ،اس سے بار بار اللہ کی یاد بھی آئے گی اور گھر کی خواتین کو نماز کی فکر بھی لگے گی۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ۔[2]

رسول اللہ صَلَّیٰ اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے گھروں میں مسجدیں (مساجد البیوت) بنانے ،انہیں پاک صاف اور خوشبودار رکھنے کا حکم ارشاد فرمایاہے۔

مسجدِ بیت کا حکم عام وقف شدہ مسجد کی طرح نہیں ہوتا،لہذا اس پر مسجد کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔[3]

۳ آمین کہنے والا دعامیں شریک

قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا ۔یونس [89]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 تفسیر عثمانی

2 سنن ابی داؤد،رقم الحدیث: 455

3 (ولا بأس بالبول فوق بيت فيه مسجد) ش: لأنه لم يخلص لله تعالى م: (والمراد ما أعد للصلاة في البيت) ش: أي المراد من المسجد المذكور في قوله فوق بيت فيه مسجد هو الموضع الذي يعده المصلي في بيته للصلاة م: (لأنه لم يأخذ حكم المسجد) ش: لبقائه في ملكه، حتى له أن يبيعه ويهبه ويورث عنه، فكان حكمه حكم غيره من المنزل المملوك۔۔۔ البناية شرح الهداية، ج:2 ص:469

”اللہ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی ہے“۔

اس آیت میں دعا کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کی طرف کی گئی ہے حالاں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ آمین کہنے والا بھی دعا کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: " قَالَ مُوسَى {رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا} [يونس: 88] إِلَى قَوْلِهِ {الْعَذَابَ الْأَلِيمَ} [يونس: 88] قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: {قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا} [يونس: 89] قَالَ: كَانَ مُوسَى يَدْعُو، وَهَارُونُ [ص:332] يُؤَمِّنُ، وَالدَّاعِي وَالْمُؤَمِّنُ شَرِيكَانِ.... التفسیر من سنن سعید بن منصور، ج:5ص:331

پارہ نمبر:12 وَمَا مِنْ دَآبَّة

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① ریاکاری کا حکم

مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَٰلَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُواْ فِيهَا وَبَٰطِلٌ مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ھود [15، 16]

”جو لوگ (صرف) دنیوی زندگی اور اس کی سج دھج چاہتے ہیں، ہم ان کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دنیا میں بھگتا دیں گے، اور یہاں ان کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ کارگزاری انھوں نے کی تھی، وہ آخرت میں بیکار ہو جائے گی، اور جو عمل وہ کر رہے ہیں، (آخرت کے لحاظ سے) کالعدم ہیں“۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کا اجر ایمان اور اخلاص پر منحصر ہے۔ ان میں سے ایک جز بھی نہ ہو تو اعمال کا بدلہ دنیا میں مختلف انداز سے دے دیا جائے گا اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ باقی نہیں رہے گا۔[1]

② آدابِ ملاقات وضیافت

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَٰهِيمَ بِٱلْبُشْرَىٰ قَالُواْ سَلَٰمًا قَالَ سَلَٰمٌ فَمَا لَبِثَ أَن جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾ ھود [69]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر البیضاوی، ج:3ص:130

"اور ہمارے فرشتے (انسانی شکل میں) ابراہیم کے پاس (بیٹا پیدا ہونے کی) خوشخبری لے کر آئے۔ انھوں نے سلام کہا، ابراہیم نے بھی سلام کہا، پھر ابراہیم کو کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ (ان کی مہمانی کے لیے) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے"۔

اس آیت سے تین احکام معلوم ہوئے:

❶ ملاقات میں سب سے پہلے سلام کرنا چاہیے۔[1]

❷ مہمان نوازی کرنا، مکارمِ اخلاق، آدابِ اسلام اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی سنت ہے۔ اس سنت کا قائم رکھنا اہلِ ایمان کی شان ہے۔[2]

❸ اس آیت میں مہمان کا ایک ادب یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی ضیافت میں جلدی کی جائے، جو کچھ میسر ہو سب سے پہلے وہی پیش کیا جائے اور اس کے بعد ضرورت ہو تو کچھ اور پیش کیا جائے۔[3]

③ سیر و سیاحت اور تفریح کا حکم

أَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدٗا يَرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿١٢﴾ یوسف [12]

"کل آپ اسے ہمارے ساتھ (تفریح کے لیے) بھیج دیجیے، تاکہ وہ کھائے پیے، اور کچھ کھیل کود لے اور یقین رکھیے کہ ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ: طبیعت کے نشاط کے لیے میدانوں، باغوں اور صحراؤں

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 احکام القرآن للجصاص، ج:4ص:378

2 وَالضِّيَافَةُ مِنۡ مَكَارِمِ الۡأَخۡلَاقِ، وَمِنۡ آدَابِ الۡإِسۡلَامِ، وَمِنۡ خُلُقِ النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ ...تفسیر القرطبی، ج:9ص:64

3 فِي هَذِهِ الۡآيَةِ مِنۡ أَدَبِ الضَّيۡفِ أَنۡ يُعَجِّلَ قِرَاهُ، فَيُقَدِّمُ الۡمَوۡجُودَ الۡمُيَسَّرَ فِي الۡحَالِ، ثُمَّ يُتۡبِعُهُ بِغَيۡرِهِ إِنۡ كَانَ لَهُ جِدَةٌ...تفسیر القرطبی، ج:9ص:64

وغیرہ کی طرف چلنے اور سیر و سیاحت کرنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔ برادران یوسف نے جب حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام سے سیر و تفریح کے لیے باہر لے جانے کا کہا تو حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام نے انہیں اس فعل سے منع نہیں فرمایا۔[1]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 وَيُقَالُ يَرْتَعُ فِي الْمَالِ أَيْ هُوَ يَتَّسِعُ بِهِ فِي الْبِلَادِ وَاللَّعِبُ هُوَ الْفِعْلُ الْمَقْصُودُ بِهِ التَّفَرُّجُ وَالرَّاحَةُ مِنْ غَيْرِ عَاقِبَةٍ لَهُ مَحْمُودَةٍ وَلَا قَصْدَ فِيهِ لِفَاعِلِهِ إِلَّا حُصُولُ اللَّهْوِ وَالْفَرَحِ فَمِنْهُ مَا يَكُونُ مُبَاحًا وَهُوَ مَا لَا إِثْمَ فِيهِ كَنَحْوِ مُلَاعَبَةِ الرَّجُلِ أَهْلَهُ وَرُكُوبِهِ فَرَسَهُ لِلتَّطَرُّبِ وَالتَّفَرُّجِ وَنَحْوِ ذَلِكَ وَمِنْهُ مَا يَكُونُ مَحْظُورًا وَفِي الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ اللَّعِبَ الَّذِي ذَكَرُوهُ كَانَ مُبَاحًا لَوْلَا ذَلِكَ لَأَنْكَرَهُ يَعْقُوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِمْ فَلَمَّا سَأَلُوهُ إِرْسَالَهُ مَعَهُمْ۔۔۔ احکام القرآن للجصاص، ج:4ص:38

پارہ نمبر: 13 وَمَا أُبَرِّئُ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① معافی کے بعد غلطیوں کے تذکرے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا اور رفتہ رفتہ لوگوں کی آنکھوں کا تارا بنادیا، تو آپ نے اپنے گھر والوں کو بلایا اور عزت سے نوازا، اس وقت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَالَ يَٰٓأَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُءْيَٰىَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّى حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِىٓ إِذْ أَخْرَجَنِى مِنَ ٱلسِّجْنِ وَجَآءَ بِكُم مِّنَ ٱلْبَدْوِ مِنۢ بَعْدِ أَن نَّزَغَ ٱلشَّيْطَٰنُ بَيْنِى وَبَيْنَ إِخْوَتِىٓ ۚ إِنَّ رَبِّى لَطِيفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ۔ یوسف [100]

”اور یوسف (علیہ السلام) نے کہا: ابا جان! یہ میرے پرانے خواب کی تعبیر ہے، جسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا، اور اس نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے قید خانے سے نکال دیا، اور آپ لوگوں کو دیہات سے یہاں لے آیا۔ حالاں کہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے، اس کے لیے بڑی لطیف تدبیریں کرتا ہے۔ بے شک وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل“۔

یہاں ایک اہم مسئلہ سمجھیے! حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے قصور معاف کر دینے کے بعد جب اللہ کے فضل و کرم گنے تو بھائیوں کی دشمنی، دوستی میں تبدیل ہوتے بیان نہ فرمائی تاکہ

بھائیوں کا دل رنجیدہ نہ ہو۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کا قصور اور غلطی معاف کر دی جائے تو پھر اس قصور کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں۔ صالحین کا یہ سبق یاد رکھنے کے قابل ہے۔

ذِكْرُ الْجَفَا فِي وَقْتِ الصَّفَا جَفَا ۔[2]

"دو دلوں کی مصالحت اور صفائی کے بعد جرم کا ذکر کرنا خود جرم ہے"۔

۲ بے ادبی کا حکم

گزشتہ قوموں کے پاس انبیاء علیہم السلام تشریف لے گئے تو انہوں نے جو رویہ ان کے ساتھ اختیار کیا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُم بِٱلۡبَيِّنَٰتِ فَرَدُّوٓاْ أَيۡدِيَهُمۡ فِيٓ أَفۡوَٰهِهِمۡ وَقَالُوٓاْ إِنَّا كَفَرۡنَا بِمَآ أُرۡسِلۡتُم ابراهيم [9]

"ان سب کے پاس ان کے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، تو انھوں نے ان کہ منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیے، اور کہا کہ: جو پیغام تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں"۔

کافروں کی اتنی بات نقل کرنی کافی تھی کہ " جو پیغام تمھیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں " مگر اللہ رب العزت نے یہ بات بھی اہتمام سے بیان فرمائی کہ " انھوں نے انبیاء علیہم السلام کہ منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیے (تاکہ انہیں بولنے نہ دیں)" اس سے واضح ہوا کہ بے ادبی کفر کے علاوہ ایک مستقل جرم ہے، جسے اللہ نے الگ سے ذکر کیا ہے۔[3]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 وَلَمْ يَقُلْ مِنَ الْجُبِّ اسْتِعْمَالًا لِلْكَرَمِ. لِئَلَّا يُذَكِّرَ إِخْوَتَهُ صَنِيعَهُمْ بَعْدَ عَفْوِهِ.... تفسير القرطبی ،ج:ص:267

2 تفسير القرطبی،ج:ص: 267

3 تفسیر بیان القرآن، ج:2ص:297،از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ باادب بننے کی کوشش کرے، اسی سے زندگی میں حسن اور وقار آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْهَدْيَ الصَّالِحَ، وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ، وَالِاقْتِصَادَ جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔[1]

عمدہ روش، اچھے انداز اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے یعنی یہ چیزیں انبیاء علیہم السلام کی عادات اور ان کے فضائل میں سے ہیں۔

اسی لیے علماء نے فرمایا:

يُسَنُّ أَنْ يَتَعَلَّمَ الْأَدَبُ وَالسَّمْتُ وَالْفَضْلُ وَالْحَيَاءُ وَحُسْنُ السِّيرَةِ شَرْعًا وَعُرْفًا۔[2]

ادب و وقار، فضل و حیا اور حسن سیرت سیکھنا شرعاً و عرفاً مسنون ہے۔

۳ گناہ کر کے عذر کرنا

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّآ أَن دَعَوْتُكُمْ فَٱسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوٓاْ أَنفُسَكُم -ابراهيم [22]

”اور مجھے تم پر اس سے زیادہ کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں (اللہ کی نافرمانی کی) دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی۔ لہٰذا اب مجھے ملامت نہ کرو۔ بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو“۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا عذر باطل ہے جو کہتا ہے کہ میں کیا کروں،

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 سنن ابی داؤد، بَابٌ فِي الْوَقَارِ، رقم الحديث: 4776

2 الآداب الشرعية والمنح المرعية للمقدسي، ج:1ص:418

کمبخت شیطان نے گناہ کرا ہی دیا، اس لیے کہ شیطان کا وسوسہ کے علاوہ کوئی زور نہیں چلتا۔[1]

-------------------حواشی اور حوالہ جات-------------------

1 تفسیر بیان القرآن، ج:2ص:300،از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

پارہ نمبر:14 رُبَمَا

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

١ عذاب یافتہ مقامات کی سیر و تفریح کا حکم

قوم نے جب حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی کی انتہاء کر دی اور ان پر عذاب نازل ہونے کا فیصلہ ہوا تو سب سے پہلے لوط علیہ السلام اور آپ کے ساتھ اہلِ ایمان کو اس بستی سے نکلنے کا حکم ہوا اور ساتھ ہی یہ ہدایت دی:

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ۔ الحجر [65]

"اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے"۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ وہ آثار جہاں اللہ کا عذاب نازل ہوا، انہیں تفریح کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیم

١ غزوہ تبوک کے سفر میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا گزر مدائنِ صالح کی معذب (عذاب یافتہ) بستی "حجر" پر ہوا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان کے ٹھکانوں (رہائش گاہوں) میں داخل ہوتے وقت پچھلے لوگوں کے برے انجام سے عبرت لیتے ہوئے اور اللہ کے عذاب کے خوف سے روتے ہوئے داخل ہو، اگر رونا نہ آئے تو ایسی جگہوں

میں داخل ہی نہ ہوا کرو، ایسا نہ ہو کہ جو عذاب ان لوگوں پر نازل ہوا ویسا ہی عذاب تم پر بھی نازل نہ ہو جائے۔[1]

❷ چہرہ ڈھانک لیا

آپ ﷺ کی اپنی حالت یہ تھی:

تَقَنَّعَ بِرِدَائِهِ وَهُوَ عَلَى الرَّحْلِ-[2]

"سواری پر سوار تھے اور چادر سے سر اور چہرہ مبارک ڈھکا ہوا تھا"۔

❸ جن صحابہ نے منع کرنے سے پہلے اس علاقہ کے کنویں سے پانی بھر کر اس سے آٹا گوندھ لیا تھا، آپ ﷺ نے اس پانی اور آٹے کو گرانے کا حکم دیا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آٹا اونٹوں کے سامنے بطورِ چارہ ڈالنے کا حکم دیا۔ اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جس کنویں سے معجزہ کے طور پر ظاہر ہونے والی اونٹنی پانی پیتی تھی اس میں سے پانی بھر لو۔[3]

ان احادیث سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو یہ درس دیا ہے کہ جن بستیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوا ہے وہ بستیاں عبرت گاہ ہیں، سیر گاہ اور تفریح گاہ نہیں ہیں۔[4]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «لاَ تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلاَءِ المُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلاَ تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ، لاَ يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ۔ الصحیح للبخاریؒ، رقم الحدیث: 433

2 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 3380

3 عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّاسَ نَزَلُوا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَلَى الْحِجْرِ - أَرْضِ ثَمُودَ - فَاسْتَقَوْا مِنْ آبَارِهَا، وَعَجَنُوا بِهِ الْعَجِينَ «فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُهَرِيقُوا مَا اسْتَقَوْا، وَيَعْلِفُوا الْإِبِلَ الْعَجِينَ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْتَقُوا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِي كَانَتْ تَرِدُهَا النَّاقَةُ۔۔۔۔الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: 2981

4 دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر 144008200063

③ بیٹی کی پیدائش پر ناراض ہونے کا حکم

بیٹی کی پیدائش پر کافروں کی کیا حالت ہوتی تھی، اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾ النحل [58، 59]

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ اس خوشخبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے اسے اپنے پاس رہنے دے، یا اسے زمین میں گاڑھ دے۔ دیکھو انھوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی کے پیدا ہونے پر رنج کرنا کافروں کا طریقہ ہے۔ بہت افسوس ہے کہ ہمارے بعض نادان مسلمان بھی بیٹی کی پیدائش پر وہی کچھ کرتے ہیں جو کافر کرتے تھے۔ چنانچہ بیٹی کی ولادت پر غمزدہ ہونا، مبارک بادی دینے والے سے ناراضگی کا اظہار کرنا، اور خوشی میں مٹھائی بانٹنے میں عار محسوس کرنا، صرف بیٹیاں پیدا ہونے کی وجہ سے ماؤں پر ظلم و ستم ڈھانا اور انھیں طلاقیں دے دینے تک کی وبا پھیلتی جا رہی ہے۔

بیٹی کی پیدائش پر دل چھوٹا کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر بیٹی عیب ہوتی تو میرے رب کی قسم! محبوب کل جہاں ﷺ کا آنگن چار چار کلیوں سے نہ مہک رہا ہوتا۔

۳ کسی چیز کو حقیر سمجھنے کا حکم

شہد کی مکھی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۔ النحل [69]

”اس مکھی کے پیٹ سے وہ مختلف رنگوں والا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یقیناً ان سب باتوں میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے ہوں“۔

اس آیت میں اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کبھی ظاہری حقیر شئی میں کوئی عزیز شئی رکھ دیتا ہے، اس لیے صورت پر نظر نہیں کرنی چاہیے۔[1]

حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، قَالَ: «رُبَّ أَشْعَثَ، مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ۔[2]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”بہت سارے پراگندہ بال والے، لوگوں کے دھتکارے ہوئے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالی پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم پوری فرمادے“۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 تفسیر بیان القرآن، ج:2ص:243

2 الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: 2622، بَابُ فَضْلِ الضُّعَفَاءِ وَالْخَامِلِينَ

پارہ نمبر:15 سُبْحَانَ الَّذِي

أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

① والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم اور اس کی صورتیں

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ
أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾
وَٱخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ ٱلذُّلِّ مِنَ ٱلرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ٱرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِى صَغِيرًا ﴿٢٤﴾

لإسراء [23، 24]

"اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اف تک نہ کہو، اور نہ انھیں جھڑکو۔ بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔ اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ، اور یہ دعا کرو کہ: یارب! جس طرح انھوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجیے"۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت کے ضروری ہونے کو توحید جیسے اہم عقیدے کے ساتھ ذکر کرکے اس کی اہمیت بتلادی ہے۔ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کو بیان کرنے کے لیے "احسان" کی جامع اصطلاح استعمال کی جس کے معانی کمال درجہ کا حسن سلوک ہے۔ لہٰذا اولاد کے ذمے لازم ہے کہ والدین کے شریعت کے موافق ہر حکم کو بجالائے۔

واضح رہے والدین کے احسانات کا بدلہ ادا کرنا اولاد کے لیے ممکن ہی نہیں۔ بندہ اگر تمام عمر والدین کے احسانات ادا کرنے کے لیے سخت سے سخت مشقت برداشت کرے تو بھی بدلہ ممکن نہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔

والدین کے ساتھ احسان میں بہت سے امور شامل ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

١ والدین کے ساتھ دلی طور پر محبت کرے۔

٢ والدین کے ساتھ نہایت ادب و تعظیم سے پیش آئے جس طرح رعایا اپنے امیر کے سامنے اور گنہگار غلام اپنے سخت مزاج، ترش رو اور سخت گیر آقا کے سامنے پیش ہوتا ہے۔

٣ والدین کے ساتھ گفتگو کرتے وقت لہجہ نرم اور پست آواز ہو۔

٤ والدین کو شفقت اور رحمت کی نظر سے دیکھے، اس سے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ غضب آلود نظروں سے دیکھنا حرام ہے۔

٥ والدین کی بات کو رد نہ کرے، اگر وہ غلطی پر ہوں تو نہایت نرمی اور حکمت عملی سے حقیقت ان کے سامنے رکھے۔

٦ راہ چلتے ہوئے ان کے آگے نہ چلے الا یہ کہ آگے چلنے کی ضرورت ہو۔

٧ والدین کی حتی المقدور امامت نہ کرے، اگرچہ بچہ ان سے زیادہ عالم ہو، ہاں اگر وہ اجازت دے دیں تو اور بات ہے۔

٨ مجلس میں ان سے بلند نشست پر نہ بیٹھے۔

٩ کھانے پینے اور کلام وغیرہ کرنے میں ان سے پہل نہ کرے۔

١٠ والدین کی خدمت خود اپنے ہاتھ سے کرے۔

١١ والدین کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ تعظیم کے کلمات سے یاد کرے۔

⓬ بڑھاپے میں جب کہ والدین کے مزاج میں سختی اور چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے، اس وقت خاص طور پر نرمی سے پیش آئے اور کرخت لہجے میں گفتگو نہ کرے۔

⓭ ضعف، بیماری اور بڑھاپے میں والدین کا بول و براز وغیرہ صاف کرتے وقت ناگواری کا اظہار نہ کرے، کیوں کہ بچپن میں وہ بچے کے بول و براز کو بغیر کسی ناگواری کے صاف کرتے رہے ہیں۔

⓮ والدین کی ضروریات کا خیال رکھے۔

⓯ جائز امور میں والدین کی مخالفت نہ کرے کہ یہ نافرمانی ہے۔

⓰ ماں باپ کے دوست واحباب اور سہیلیوں کے ساتھ صلہ رحمی درحقیقت ماں باپ کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔

⓱ والدین کے لیے ان کی حیات میں اور بعد وصال کے بھی دعا کرنا ضروری ہے، آیت کریمہ نے اس کی واضح ہدایت کر دی ہے۔[1]

❷ مؤمن کی رفتار میں وقار

وَلَا تَمۡشِ فِي ٱلۡأَرۡضِ مَرَحًاۖ إِنَّكَ لَن تَخۡرِقَ ٱلۡأَرۡضَ وَلَن تَبۡلُغَ ٱلۡجِبَالَ طُولٗا ﴿٣٧﴾ الإسراء [37]

”اور زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو“۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للجصاص، ج:5ص:20-19

توضیح الآیۃ: یعنی متکبروں کی چال چلنا انسان کو زیبا نہیں نہ تو زور سے پاؤں مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کے برابر ہو سکتا ہے۔ پھر ایسے ضعف و عجز اور اس بساط پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچنے سے کیا فائدہ؟[1]

اس سے معلوم ہوا کہ: تکبر و غرور سے اکڑ کر چلنا، جابر و ظالم کی طرح اترانا، اللہ رب العزت کو نہایت ناپسند ہے۔ اس آیت میں چال اور رفتار میں تکبرانہ انداز کی مذمت کی گئی ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَعَظَّمَ فِي نَفْسِهِ، أَوِ اخْتَالَ فِي مِشْيَتِهِ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ۔[2]

"جس نے اپنے کو بڑا سمجھا یا اپنی چال میں تکبرانہ رویہ اختیار کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہو گا"۔

۳ راہِ حق میں پہنچنے والی تکلیف کے اظہار کا حکم

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَىٰهُ ءَاتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ الکھف [62]

"پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے"۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر عثمانی

2 الأدب المفرد بالتعليقات، رقم الحديث: 549، مسند احمد، رقم الحديث: 549

توضیح الآیۃ: جس مقام کی نشاندھی کی گئی تھی، اس سے دونوں آگے نکل گئے تو حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سفر سے بہت تھک گئے ہیں اب کھانا لاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ درد، مشقت اور راہِ حق میں پہنچنے والی تکلیف کا اظہار جائز ہے، یہ رضا اور تسلیم کے منافی نہیں جب کہ تکلیف کا اظہار بطورِ شکوہ نہ ہو اور اس میں ناراضگی کا انداز نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے راہِ حق میں اپنی تھکاوٹ اور بھوک کا اظہار کیا۔ [1]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] يَدُلُّ عَلَى إِبَاحَةِ إِظْهَارِ مِثْلِ هَذَا الْقَوْلِ عند ما يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ نَصَبٌ أَوْ تَعَبٌ فِي سَعْيٍ فِي قُرْبَةٍ وَأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِشِكَايَةٍ مَكْرُوهَةٍ۔۔۔احکام القرآن للجصاص، ج:5ص:43

پارہ نمبر:16 قَالَ أَلَمْ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

① احمقوں سے الجھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر خاوند کے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرت عیسی علیہ السلام جیسا نبی بیٹا عطا فرمایا، وضع حمل کے وقت آپ بہت پریشان تھیں کہ بن باپ کے بیٹے کی پیدائش پر لوگوں کو کس طرح مطمئن کریں گی؟ انہیں حکم ہوا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، جب لوگ سوال کریں تو اتنا بتادیں کہ جو کچھ پوچھنا ہے اس بچے سے پوچھ لو یہ سب کچھ قدرت کے عجائبات بتادے گا اور میں نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا ہے:

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا -مریم [26]

”اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ: آج میں نے خدائے رحمن کے لیے ایک روزے کی منت مانی ہے، اس لیے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی“۔

اس سے معلوم ہوا کہ احمق کے سوالات اور اس کی فضول کی بحث و تکرار پر خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ لوگوں میں سے ذلیل ترین وہ بیوقوف ہے جو بیوقوف کو نہ سمجھے۔[1]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] وَفِيهِ أَنَّ السُّكُوتَ عَنِ السَّفِيهِ وَاجِبٌ، وَمِنْ أَذَلِّ النَّاسِ سَفِيهٌ لَمْ يَجِدْ مُسَافِهًا....تفسیر القرطبی،ج:11ص:98

۲ تحدیثِ نعمت کا حکم

جب لوگوں نے حضرت مریم علیہاالسلام پر الزام لگایا تو وہی بچہ ماں کی گود میں اپنی والدہ کی پاکدامنی کے لیے بول پڑا:

قَالَ إِنِّي عَبْدُ ٱللَّهِ ءَاتَىٰنِيَ ٱلْكِتَـٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَـٰنِي بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّۢا بِوَٰلِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَٱلسَّلَـٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ [1]

”بچہ بول اٹھا کہ: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے۔ اور جہاں بھی میں رہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے، اور جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہے۔ اور مجھے اپنی والدہ کا فرمان بردار بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور سنگ دل نہیں بنایا۔ اور (اللہ کی طرف سے) سلامتی ہے مجھ پر اس دن بھی جب میں پیدا ہوا، اور اس دن بھی جس دن میں مروں گا، اور اس دن بھی جب مجھے دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا“۔

توضیح الایۃ: آپ کی والدہ محترمہ پر جو الزام عائد کیا جارہا تھا اس کو دور کرنے کے لیے آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور حضرت مریم کی برأت کو ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ موثر، دلنشین اور بلیغ اسلوب نہیں ہوسکتا۔ یعنی کیا ایک زانیہ کے شکم سے ایسا بچہ پیدا ہوسکتا ہے جو ان کمالات کا حامل ہو؟ میرا صاحبِ کتاب نبی ہونا اور میرے وجود کا سراپا برکت ہونا کیا اس بات کی بین دلیل نہیں کہ میری والدہ تقیہ، عفیفہ، زاہدہ اور قانتہ ہیں؟

ان آیات سے دو احکام ثابت ہوئے:

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 مریم [30-33]

❶ اگر کسی پر اپنی حیثیت واضح کرنے کے لیے اپنی صفاتِ خیر اور اوصافِ حمیدہ کو بیان کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ تکبر اور فخر کے طور پر نہ ہو۔

❷ نماز، زکوۃ اور شریعت کے دوسرے احکام موت تک کسی کو معاف نہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھی فوت ہونے تک عبادت کا حکم ہوا، چنانچہ فرمایا: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔[1] ”اور اپنے رب کی عبادت کر، یہاں تک کہ تیرے پاس یقین (موت) آجائے۔“

اس سے ان جاہل لوگوں کا دھوکہ واضح ہوا جو کہتے ہیں کہ ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ اب ہمیں نماز روزہ وغیرہ کی ضرت نہیں ہے۔ معاذ اللہ۔

❸ دوسروں کی عیش و عشرت کو ہوس سے دیکھنے کا حکم

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾ طه [131]

”اور دنیوی زندگی کی اس بہار کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کے لیے دے رکھی ہے، تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعے آزمائیں۔ اور تمہارے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دیرپا ہے“۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ: دنیا داروں کے مال و دولت کو للچائی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے اور خاص طور پر کافروں کی ترقی، مال و دولت اور عیش و عشرت کی فراوانی دیکھ کر ان سے انتہائی مرعوب اور دینِ اسلام سے ناراض ہونا بہت بڑی حماقت ہے، اس لیے کہ اس ترقی اور دولت

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 [الحجر:۹۹]

مندی کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور اس کے احکام سے سرکشی کرنے میں کتنا آگے بڑھ چکے ہیں، آپ بھی جانتے ہیں۔

پارہ نمبر:17 اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

① رزقِ حلال کے لیے جائز پیشہ اختیار کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کو اسلحہ سازی کا علم دیا تھا، لوہا ان کے ہاتھ میں آتے ہی نرم ہو جاتا، آپ اسے موڑ کر نہایت آسانی سے مضبوط اور جدید قسم کی زرہیں تیار کرتے تھے جو لڑائی میں کام دیتی تھیں۔

وَعَلَّمْنَٰهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّنۢ بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ شَٰكِرُونَ ﴿٨٠﴾ الأنبياء [80]

"اور ہم نے انھیں تمہارے فائدے کے لیے ایک جنگی لباس (یعنی زرہ) بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمھیں محفوظ رکھیں"۔

اس آیت سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔

1. دستکاری سے معاش حاصل کرنا کوئی عار کی بات نہیں۔
2. اسباب کا استعمال کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔[1]

لہذا رزقِ حلال کے حصول کے لیے اپنے ہنر اور فن کو استعمال کرنا چاہیے اور اس مقصد کے لیے شرم و عار بھی محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر بیان القرآن، ج:2ص:499

۲ اللہ سے شکوہ کرنے کا حکم

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے ،انہیں کوئی سخت بیماری لاحق ہو گئی، لیکن انہوں نے صبر وضبط سے کام لیا اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شفاء عطا فرمادی۔

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥٓ أَنِّي مَسَّنِيَ ٱلضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ۝٨٣ الأنبياء [83]

”اور ایوب کو دیکھو! جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے، اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“۔

اس آیت سے دو احکام ثابت ہوئے۔ ❶۔ دعا کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ ❷۔ انتہائی احتیاج کی وجہ سے اللہ رب العزت سے شکوہ کرنا تسلیم و رضا کے منافی نہیں۔[1]

واضح رہے کہ اللہ سے شکوہ کرنے سے مراد جزع فزع کرنا، ناراضگی کا اظہار کرنا اور ناشکری کے کلمات کہنا نہیں ہے بلکہ اس پریشانی کا ذکر کرکے اس کے ازالہ کے لیے فریاد کرنا مراد ہے۔[2]

۳ غلطی پر تنبیہ سن کر ناگواری کے اظہار کا حکم

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُنَا بَيِّنَٰتٍ تَعْرِفُ فِى وُجُوهِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلْمُنكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِٱلَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِنَا - الحج [72]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر بیان القرآن، ج:2ص:501

2 دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر 144206201345

"اور جب ان کو ہماری آیتیں اپنی پوری وضاحتوں کے ساتھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو تم ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے اثرات صاف پہچان لیتے ہو، ایسا لگتا ہے کہ یہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں"۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ: جب کسی غلطی کی اصلاح کے لیے قرآن کریم سنایا جائے تو اسے خوش دلی سے قبول کر کے اپنی غلطی کا اعتراف اور اس پر اللہ سے معافی مانگنی ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ السلام لکھتے ہیں کہ اس میں ان مدعیان تصوف کی مذمت ہے کہ جب ان کے سامنے ان کے رد کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ [1]

----------------حواشی اور حوالہ جات----------------

1 تفسیر بیان القرآن، ج:2ص:534

پارہ نمبر:18 قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① خبروں میں سخت احتیاط کی تاکید

منافقین نے جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو بعض لوگوں کو تردد ہو گیا کہ یہ واقعہ سچ ہے یا جھوٹ ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا۟ هَٰذَآ إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ النور [12]

”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مومن مرد بھی اور مومن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے؟“

توضیح الآیۃ: یعنی تم نے یہ خبر سنتے ہی اس بہتان کی تردید کیوں نہ کر دی۔ اس میں تردد کی غلطی کیوں کی۔ تمہیں تو فوراً کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

اس آیت میں صریح تاکید ہے کہ خبروں میں سخت احتیاط و تحقیق سے کام لینا چاہیے۔[1]

لہٰذا جب بھی کسی صاحبِ ایمان کے بارے میں کوئی بری خبر سنیں یا کسی کو نکتہ چینی کرتا دیکھیں تو اس صاحبِ ایمان کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں اور اس کا ایسے دفاع کریں جس طرح اپنی ذات کا دفاع کرتے ہیں۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] تفسیر بیان القرآن، ج:2ص:569

۲ گھر میں داخل ہونے کے آداب واحکام

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَدۡخُلُواْ بُيُوتًا غَيۡرَ بُيُوتِكُمۡ حَتَّىٰ تَسۡتَأۡنِسُواْ وَتُسَلِّمُواْ عَلَىٰٓ أَهۡلِهَا ۔ النور [27]

”اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو، اور ان میں بسنے والوں کو سلام نہ کرلو“۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اہل ایمان کو دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے آداب واحکام سکھا کر مثالی معاشرے کی تشکیل کی ہے۔

- کسی کے گھر میں خواہ وہ زنانہ ہو یا مردانہ آنے والا مرد ہو یا عورت سب کے لیے کسی کے گھر میں جانے سے پہلے اجازت لینا واجب ہے، بلا اجازت کسی کے گھر چلے جانا جائز نہیں ہے۔[1]
- بغیر اجازت کے گھر جانا تو ناجائز ہے ہی، کسی کے گھر جھانکنا بھی جائز نہیں ہے۔

ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے حجروں کے کسی سوراخ میں سے جھانکا، نبی ﷺ کے پاس لوہے کی کنگھی نما چیز تھی جس سے آپ ﷺ اپنا سر مبارک کھجا رہے تھے: آپ نے فرمایا:

لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْظُرُ، لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنِكَ، إِنَّمَا جُعِلَ الِاسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ البَصَرِ۔[2]

”اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں اس سلائی کو تیری آنکھ میں چبھو دیتا، کیوں کہ اجازت لینے کا حکم نظر پڑنے کی وجہ سے ہی دیا گیا ہے“۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 فَيَجِبُ فِي الْجُمْلَةِ عَلَى غَيْرِ زَوْجَةٍ وَأَمَةٍ الاداب الشرعية والمنح المرعية، ج:1ص:393

2 الصحيح للبخاری، رقم الحدیث:6241

اجازت کے اتنے اہم مسئلہ میں کوتاہی کی وجہ سے نفرتیں بڑھ رہی ہیں، برائیاں عام ہو رہی ہیں اور گھریلو زندگیاں تباہی کے گھاٹ اتر رہی ہے۔

جب اجازت لینا ضروری ہے تو اس کا طریقہ اور آداب و احکام کو سمجھ لیتے ہیں۔

① دروازہ کھٹکانا / بیل بجانا

جب بھی کسی جگہ جانا ہو تو سب سے پہلے اس طرح آہستہ اور آرام سے دروازہ کھٹکھٹائیں کہ جس سے گھر والوں پر کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ أَبْوَابَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تُقْرَعُ بِالْأَظَافِرِ۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے کو ہم اپنے ناخن سے بجاتے اور پھر تین بار اجازت لیتے تھے"۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ عمل ان کے عالی ادب و اخلاق کا مظہر ہے جو کہ قریب دروازہ کے لیے بہتر ہے لیکن جہاں دروازہ گھر سے دور ہو وہاں حسب ضرورت زور سے دروازہ بجایا جاسکتا ہے۔[2]

دروازہ کھٹکانے کے بعد تھوڑا انتظار کیا جائے اور اس بات کا یقین کر لیا جائے کہ گھر والوں نے اگر نہیں سنا تو دوبارہ کھٹکانا چاہیے اور اسی طرح مزید انتظار کر کے تیسری مرتبہ بجایا جائے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 شعب الإیمان، الرقم: 8436، فَصْلٌ فِي قَرْعِ الْبَابِ عِنْدَ الِاسْتِئْذَانِ،

2 هَذَا مَحْمُولٌ مِنْهُمْ عَلَى الْمُبَالَغَةِ فِي الْأَدَبِ وَهُوَ حَسَنٌ لِمَنْ قَرُبَ مَحَلُّهُ مِنْ بَابِهِ أَمَّا مَنْ بَعُدَ عَنِ الْبَابِ بِحَيْثُ لَا يَبْلُغُهُ صَوْتُ الْقَرْعِ بِالظُّفُرِ فَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَقْرَعَ بِمَا فَوْقَ ذَلِكَ بِحَسَبِهِ....فتح الباری لابن حجر، ج: 11ص: 36

۲ دروازہ پر کھڑا ہونے کا حکم

اجازت لیتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ گھر کے دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہوا جائے بلکہ دائیں جانب ہونا چاہیے ،اگر میسر نہ ہو تو بائیں جانب کھڑے ہوکر اجازت لینی چاہیے ۔

عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، قَالَ: أَتَى سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ النَّبِيَّ ﷺ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْبَابِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ: " هَكَذَا يَا سَعْدُ, فَإِنَّمَا الِاسْتِئْذَانُ مِنَ النَّظَرِ "[1]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک بار پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے اور اس حال میں اجازت طلب کی کہ وہ دروازے کے سامنے کھڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دی اور فرمایا: اے سعد! اجازت لینے کا سبب نظر ہی ہے لہٰذا جب بھی اجازت لو دروازے کے سامنے مت کھڑے ہوا کرو۔

۳ عزیز و اقارب سے بھی اجازت طلب کی جائے

گھر چاہے اپنے عزیز و اقارب کا ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی اجازت لیے بغیر ان کے گھر داخل نہیں ہونا چاہیے۔

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَى أُمِّي، فَدَخَلَ فَاتَّبَعْتُهُ، فَالْتَفَتَ فَدَفَعَ فِي صَدْرِي حَتَّى أَقْعَدَنِي عَلَى اسْتِي، قَالَ: أَتَدْخُلُ بِغَيْرِ إِذْنٍ؟ ۔[2]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 شعب الإیمان، الرقم: 17661، بَابُ الرَّجُلِ يَسْتَأْذِنُ عَلَى دَارٍ فَلَا يَسْتَقْبِلُ الْبَابَ وَلَا يَنْظُرُ

2 الأدب المفرد للبخاری، رقم الحدیث: 1061

تحقیق الاسناد: قال المعلق: قال الحافظ ابن حجر: إسنادہ صحیح، انظرہ (ص 365) منہ

حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ اپنی ماں کے ہاں گیا، میرے والد تو اندر چلے گئے اور میں ان کے پیچھے تھا، آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور میرے سینے پر مار کر کہنے لگے کیا تو اجازت کے بغیر داخل ہونا چاہتا ہے؟

✷ والدہ سے اجازت

مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اپنی والدہ سے بھی اجازت لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں، جب بھی گھر میں داخل ہو تو اپنی والدہ سے اجازت لو۔ اس نے جواباً کہا: میں گھر میں اپنی والدہ کے ساتھ رہتا ہوں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تم اذن لے کر داخل ہوا کرو، اس نے جواب دیا کہ میں ہی اپنی والدہ کی ہمیشہ خدمت کرتا ہوں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: تم ضرور اجازت لیا کرو کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم اپنی والدہ کو مکروہ حالت میں دیکھو؟ تو اس صحابی نے فوراً کہا نہیں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اجازت لیا کرو۔[1]

✷ بیوی سے اجازت

جس گھر میں صرف بیوی ہو تو اس میں اجازت لیے بغیر جانا بھی جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس میں داخل ہونے کے لیے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکار سے یا کسی اور طرح سے انہیں باخبر کر دیا جائے۔

عَنْ زَيْنَبَ، امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ، قَالَتْ: كَانَ عَبْدُ اللهِ إِذَا جَاءَ مِنْ حَاجَةٍ فَانْتَهَى إِلَى الْبَابِ، تَنَحْنَحَ وَبَزَقَ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَهْجُمَ مِنَّا عَلَى شَيْءٍ يَكْرَهُهُ-[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، رقم الحديث: 902، بَابُ: الاسْتِئْذَانِ

2 مسند احمد، رقم الحديث: 3615

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب بھی باہر سے آتے تھے تو دروازہ پر کھنکارتے، تھوک پھینکتے اور اس طرح اپنے آنے کی خبر دیتے تاکہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو۔

✹ باپ اور بھائی کے پاس جانے سے پہلے اجازت

عن جابر رضی اللہ عنہ قَالَ: يَسْتَأْذِنُ الرَّجُلُ عَلَى وَلَدِهِ وَأُمِّهِ وَإِنْ كانت عجوزا وأخيه وأخته وأبيه ۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے بیٹے اور ماں سے بھی اجازت لینی چاہیے، اگرچہ بوڑھی ہی کیوں نہ اور اپنے بھائی، بہن اور باپ سے بھی اجازت طلب کرنی چاہیے۔

✹ بہنوں کے پاس جانے سے پہلے اجازت

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ: أَسْتَأْذِنُ عَلَى أُخْتِي؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَأَعَدْتُ فَقُلْتُ: أُخْتَانِ فِي حِجْرِي، وَأَنَا أَمُونُهُمَا وَأُنْفِقُ عَلَيْهِمَا، أَسْتَأْذِنُ عَلَيْهِمَا؟ قَالَ: نَعَمْ، أَتُحِبُّ أَنْ تَرَاهُمَا عُرْيَانَتَيْنِ؟ ۔[2]

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا میں اپنی بہن سے بھی اجازت لے کر داخل ہوا کروں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں ۔ میں نے دہرایا کہ: میں اپنی دو بہنوں کے ساتھ رہتا ہوں اور ان کی سرپرستی اور ان کی دیکھ بھال بھی کرتا ہوں تب بھی اجازت لوں؟ تو جواب ملا کہ: ہاں کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم انہیں نامناسب حالت میں دیکھ لو؟؟؟"

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 الادب المفرد للبخاری، رقم الحدیث: 1062، باب یستأذن علی أبیہ وولدہ

2 الأدب المفرد للبخاری، رقم الحدیث: 1063

تحقیق الاسناد: قال الشیخ الألبانی صحیح... صَحِيح الْأَدَبِ الْمُفْرَد: 815

✷ اپنے بچوں کے پاس جانے سے پہلے اجازت

عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا بَلَغَ بَعْضُ وَلَدِهِ الْحُلُمَ عَزَلَهُ، فَلَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِ إِلَّا بِإِذْنٍ۔ [1]

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ جب ان کے بعض بچے جوان ہو جاتے تو آپ ان میں علیحدگی کر دیتے اور ان کے پاس بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوتے تھے“۔

معلوم ہوا کہ اپنے کسی قریبی کے بھی گھر یا کمرہ میں داخل ہونے سے پہلے ضرور بضرور اجازت لینی چاہیے اور اس وقت تک داخل نہ ہونا چاہیے جب تک اجازت نہ مل جائے یہی دین حنیف ہے اسی میں عزت وعفت ہے اور یہی عالی اخلاق کا مظہر ہے۔

٤ اجازت لینے کا طریقہ

نام بتائیں

ایک اہم ادب یہ ہے کہ اگر کوئی گھر والا دروازہ کھٹکانے یا فون کرنے پر تعارف کا کہے یا نام پوچھے تو اپنا تعارف کرانا چاہیے یا جس نام اور لقب سے مشہور ہیں، اس کی وضاحت کرنی چاہیے۔ اس کے پوچھنے پر خاموش رہنا یا مبہم طریقہ سے تعارف کرانا دوسرے کو تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے۔

٥ سلام کریں

اجازت ملنے کے بعد جب گھر میں جائیں تو سب سے پہلے سلام کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] الأدب المفرد للبخاری، رقم الحدیث: 1058
تحقیق الاسناد: قال الألبانی۔ ھذا حدیث صحیح۔۔۔ صَحِيحُ الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ: 812

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ ۔[1]

”جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں (گھر والوں) کو سلام کہا کرو“۔

آپ ﷺ کی وصیت

پیارے رسول ﷺ کی اپنے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جنھوں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، انھیں آپ ﷺ کی وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُونُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ ۔[2]

” اے بچے! جب بھی اپنے گھر میں داخل ہو تو پہلے سلام کرو اور یہ تمہارے لیے اور گھر والوں کے لیے باعث برکت ہے“۔

٦ ملاقات کی اجازت نہ ملے تو؟

اگر استیذان کے بعد مخاطب نے جواب میں یہ کہہ دیا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی، لوٹ جایئے، تو اس سے بُرا نہیں ماننا چاہیے، کیوں کہ ہر شخص کے حالات اور اس کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، بعض وقت وہ مجبور ہوتا ہے، باہر نہیں آسکتا، نہ آپ کو اندر بلا سکتا ہے، تو ایسی حالت میں اس کے عذر کو قبول کرنا چاہیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ ۔[3]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 النور آیت نمبر 61

2 سنن الترمذی، رقم الحدیث: 2698

3 النور: 28

بعض حضرات سلف سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ میں عمر بھر اس تمنا میں رہا کہ کسی کے پاس جا کر استیذان کروں اور وہ مجھے یہ جواب دے کہ لوٹ جاؤ تو میں اس حکم قرآن کی تعمیل کا ثواب حاصل کروں، مگر عجیب اتفاق ہے کہ مجھے کبھی یہ نعمت نصیب نہیں ہوئی۔[1]

۷ بلا مجبوری ملنے سے عذر نہ کرے

آیت بالا میں جس طرح آنے والے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر استیذان کرنے پر اجازت نہ ملے اور کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو کہنے والے کو معذور سمجھو اور خوش دلی کے ساتھ واپس ہو جاؤ اور بُرا نہ مانو، اسی طرح ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے گھر والوں کو ہدایت دی ہے:

إِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ۔[2]

"جو شخص ملنے کے لیے آئے اس کا بھی تم پر حق ہے"۔

اس کا حق یہ ہے کہ اس کو اپنے پاس بلاؤ یا باہر آکر اس سے ملو، اس کا اکرام کرو، بات سنو، بلا کسی شدید مجبوری اور عذر کے ملاقات سے انکار نہ کرو۔

۸ استیذان کا جواب نہ آئے تو؟

اگر کسی کے دروازے پر جا کر استیذان کیا اور اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو سنت یہ ہے کہ دوبارہ پھر استیذان کرے، پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ پھر کرے، اگر تیسری مرتبہ بھی جواب نہ آئے تو لوٹ جانا چاہیے، کیوں کہ تین مرتبہ کہنے سے تقریباً یہ تو متعین ہو جاتا ہے کہ اس نے آواز سن لی ہے، مگر وہ یا تو ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا، مثلاً: نماز پڑھ رہا ہے، یا بیت الخلاء میں ہے یا غسل کر رہا ہے اور یا پھر اس وقت وہ ملنا نہیں چاہتا ہے، دونوں حالتوں میں وہیں

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 قوت القلوب فی معاملة المحبوب، ج:1ص: 279، ذکر ما احدث الناس من القول والفعل فیما بینھم الخ

2 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 1974

جمے رہنا اور مسلسل دستک دیتے رہنا یا گھنٹی بجاتے رہنا موجب ایذا ہے، جس سے بچنا واجب ہے، کیوں کہ استیذان کا اصل مقصد ہی ایذا سے بچنا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ-[1]

"جب تم میں سے کوئی تین دفعہ اجازت طلب کرے اور اسے جواب نہ ملے تو وہ لوٹ جائے"۔

⑨ حادثہ کے وقت استیذان کا حکم

بغیر استیذان کے کسی کے گھر میں داخل ہونے کی جو ممانعت ہے یہ عام حالات کے لحاظ سے ہے، لیکن اگر کسی گھر میں کوئی حادثہ پیش آجائے، آگ لگ جائے،، یا مکان کا کوئی حصہ منہدم ہو جائے تو اجازت لیے بغیر بھی اس میں جاسکتے ہیں اور امداد کے لیے جانا بھی چاہیے۔[2]

⑩ خالی گھر میں داخل ہونے کا حکم

بعض دفعہ انسان ایسے گھر میں آتا ہے، جس میں کوئی نہیں ہوتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ اجازت کی ضرورت نہیں، حالاں کہ یہ خیال درست نہیں، اس لیے کہ اجازت صرف گھر والوں پر داخل ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس وجہ سے بھی ہوتی ہے کہ گھر کے اندرونی حالات کا بھید نہ کھلے۔ لہذا گھر پردہ کی جگہ ہے خواہ اس میں کوئی موجود ہو یا نہ ہو، بلا اجازت داخل نہ ہوا جائے۔[3]

گھر میں داخل ہوتے وقت ملحوظ رکھے جانے والے آداب

جب کسی کو گھر داخل ہونے کی اجازت مل جائے تو اسے کئی چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 6245

2 تفسیر مظھری، ج:6ص:488

3 احکام القرآن لابن العربی، ج:3ص:1362

- نگاہ نیچی رکھے۔
- آواز پست رکھے۔
- جہاں بیٹھنے کا کہا جائے وہاں بیٹھ جائے۔

اسلاف سے منقول ہے:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ بَيْتًا فَأَيْنَمَا أَجْلَسُوهُ فَلْيَجْلِسْ، هُمْ أَعْلَمُ بِعَوْرَةِ بَيْتِهِمْ۔ [1]

صاحبِ خانہ جہاں بیٹھنے کا حکم دے وہیں بیٹھ جائے اور جب اس کے بیٹھنے کی جگہ منتخب کردے تو اس سے تجاوز نہ کرے، کیوں کہ اس کے گھر میں کوئی چیز ایسی ہوگی جسے وہ دکھانا پسند نہیں کرتا ہوگا۔

- جب اسے کسی متعین جگہ پر بیٹھنے کا حکم نہ دیا جائے تو جہاں پہنچے وہیں بیٹھ جائے۔
- اپنے لیے لوگوں کے کھڑے ہونے کی خواہش سے احتراز کرے۔ہاں لوگ خود ہی کھڑے ہو کر ملیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔
- ملاقات وزیارت کے لیے جانے والے کے لیے مستحب ہے کہ جب وہ صاحبِ خانہ کے ہاں کھانا کھائے تو اس کے لیے حدیث میں وارد دعائیہ الفاظ سے اس کو دعا دے۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔ [2]

"اے اللہ! جو کچھ تو نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں برکت عطا فرما، ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما"۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار،الرقم: 25593، مَنْ قَالَ: إِذَا دَخَلْتَ عَلَى قَوْمٍ فَاجْلِسْ حَيْثُ يُجْلِسُونَكَ

2 سنن ابی داؤد،رقم الحدیث: 3729

③ اجازت لینے کے خاص اوقات

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لِيَسۡتَـٔۡذِنكُمُ ٱلَّذِينَ مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡ وَٱلَّذِينَ لَمۡ يَبۡلُغُواْ ٱلۡحُلُمَ مِنكُمۡ ثَلَٰثَ مَرَّٰتٖۚ مِّن قَبۡلِ صَلَوٰةِ ٱلۡفَجۡرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ ٱلظَّهِيرَةِ وَمِنۢ بَعۡدِ صَلَوٰةِ ٱلۡعِشَآءِۚ ثَلَٰثُ عَوۡرَٰتٖ لَّكُمۡ ۔النور [58]

”اے ایمان والو ! جو غلام لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں، اور تم میں سے جو بچے ابھی بلوغ تک نہیں پہنچے ان کو چاہیے کہ وہ تین اوقات میں (تمہارے پاس آنے کے لیے) تم سے اجازت لیا کریں۔ نماز فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار کر رکھا کرتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں“۔

توضیح الایۃ: اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جنھیں گھر میں داخلے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں مگر تین اوقات ایسے ہیں کہ انھیں بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ یہ دو قسم کے لوگ ہیں، آدمی کے لونڈی و نابالغ غلام اور نابالغ بچے، تین اوقات میں ان لوگوں کے لیے بھی اجازت واجب ہے۔[1]

تین ممنوع اقات یہ ہیں:

❶ فجر کی نماز سے پہلے جب انسان اپنے بستر سے اٹھتا ہے اور اپنے رات کے لباس کو تبدیل کرکے دن کا لباس پہننا چاہتا ہے۔

❷ ظہر کا وقت جب لوگ قیلولہ کرتے ہیں۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] أَنَّهَا مُحْكَمَةٌ وَاجِبَةٌ ثَابِتَةٌ عَلَى الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ....تفسیر القرطبی، ج:12:303

❸ نماز عشاء کے بعد جب لوگ اپنے لباس کو اتارنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور سونے کی تیاری کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں جن تین اوقات کا ذکر ہے، یہ اوقات آرام کے ہیں لھذا بچوں کو گھروں کے اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے تاکہ ناپسندیدہ منظر کو نہ دیکھ لیں۔[1] اس میں خدام خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اور وہ بچے جو جوان نہ ہوئے ہوں مگر عورتوں کی پوشیدہ معلومات سے واقف ہوں اور سن بلوغت کو نہ پہنچے ہوں شامل ہیں البتہ غیر مذکورہ اوقات میں ان کا آنا جانا مجبوری اور ہر وقت اجازت مانگنا بھی مشکل امر ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

واضح رہے کہ آیت میں جن خادموں کا بیان ہوا ہے وہ غلام ہیں جو مستقل ایک گھر کے افراد کی حیثیت سے مالک کے ساتھ ہوتے تھے، آج کل کے دور میں جو گھر میں ملازم رکھے جاتے ہیں وہ چاہے کسی حیثیت سے ہی کیوں نہ ہوں، ڈرائیور ، باورچی ،چوکیدار ان سب کو پردے کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور کسی وقت بھی نا محرم عورت یا گھر کی مالکن سے ملنا اور بے تکلفی اختیار کرنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس کمرے میں داخلے کی جہاں مستورات رہتی ہوں، یہ تین اوقات اس قسم کے ملازموں کے لیے نہیں ہیں۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] احکام القرآن لابن العربی

پارہ نمبر:19 وَقَالَ الَّذِینَ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

۱ میانہ روی اختیار کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ الفرقان [67]

"اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ ان کا طریقہ اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال کا طریقہ ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ فضول خرچی بھی بری ہے اور بخل بھی مذموم ہے۔

بخل اور فضول خرچی کی دو دو صورتیں ہیں:

فضول خرچی

۱ کمیت اور مقدار کے لحاظ سے اسراف یہ ہے کہ اپنی معاشی حالت اور آمدن سے بڑھ کر خرچ کرنا، مثلاً: شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں نمود و نمائش کے لیے اخراجات کرنا۔

۲ کیفیت کے لحاظ سے اسراف یہ ہے کہ مال کو غیر محل اور غلط جگہ پر خرچ کرنا، مثلاً: بدکاری میں خرچ کرنا اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

بخل

۱ کمیت کے اعتبار سے بخل یہ ہے کہ اپنی وسعت اور خوشحالی کے باوجود بہت تھوڑا خرچ کرنا اور تونگری کے باوجود تنگ دستی ظاہر کرنا۔

❷ کیفیت کے اعتبار سے بخل یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا مطلوب ہو وہاں خرچ ہی نہ کیا جائے۔[1]

❷ بری محفلوں میں جانے کا حکم

وَٱلَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ ٱلزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا۟ بِٱللَّغْوِ مَرُّوا۟ كِرَامًا ﴿٧٢﴾ الفرقان [72]

اور (رحمن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

توضیح الآیۃ: یعنی نہ جھوٹ بولتے ہیں نہ جھوٹی شہادت دیتے ہیں۔ نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں۔[2] اور وہ ارادۃً تو بری مجالس میں شریک ہی نہیں ہوتے لیکن اگر اتفاقاً ان کا گزر ادھر سے ہو جاتا ہے تو وہاں بیٹھ کر لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں اور اس طرف ذرا توجہ نہیں کرتے۔

اس آیت سے دو مسائل واضح ہوئے:

❶ جھوٹی گواہی دینا حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ ہے، حدیث مبارک میں اسے شرک کے بعد بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

عن عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟» ثَلَاثًا «الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ - أَوْ قَوْلُ الزُّورِ - وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا، فَجَلَسَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ.[3]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن لابن العربی، ج:3ص:1431

2 تفسیر عثمانی

3 الصحیح لمسلم، رقم الحدیث:87، بَابُ بَيَانِ الْكَبَائِرِ وَأَكْبَرِهَا

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، آپ ﷺ نے فرمایا" :کیا میں تمہیں بڑا کبیرہ گناہ نہ بتاؤ؟" تین بار آپ ﷺ نے یہ فرمایا" :شرک کرنا اللہ کے ساتھ (یہ تو ظاہر ہے کہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے)، دوسرے ماں باپ کی نافرمانی کرنا، تیسرے جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹ بولنا "اور رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے تھے، آپ ﷺ بیٹھ گئے اور بار بار یہ فرمانے لگے)تاکہ لوگ خوب آگاہ ہو جائیں اور ان کاموں سے باز رہیں (ہم نے اپنے دل میں کہا کاش آپ ﷺ چپ رہیں۔ (تاکہ آپ ﷺ کو زیادہ رنج نہ ہو ان گناہوں کا خیال کر کے جو لوگ کیا کرتے ہیں)۔

❷ بری مجالس اور فحش محفلوں میں شریک ہونا ناجائز ہے، ایسے موقع پر صرف موجود ہونا بھی شرکت کا حکم رکھتا ہے، کیوں کہ اس کی موجودگی اس قبیح فعل پر رضا کی علامت ہے۔[1]

❸ اپنے ماتحتوں سے باخبر رہیے

وَتَفَقَّدَ ٱلطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى ٱلْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ ٱلْغَآئِبِينَ ﴿٢٠﴾ النمل [20]

"اور انھوں نے (ایک مرتبہ) پرندوں کی حاضری لی تو کہا: کیا بات ہے، مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟"

توضیح الآیۃ: کسی ضرورت سے سلیمان (علیہ السلام) نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا، ہدہد نظر نہ آیا۔ فرمایا کیا بات ہے ہدہد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا، یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟[2]

-------------------حواشی اور حوالہ جات-------------------

1 تفسیر مظھری ج:7ص:54

2 تفسیر عثمانی

اس آیت سے معلوم ہوا کہ: حاکم اور امیر پر لازم ہے کہ لوگوں کی ضروریات اور معاملات سے باخبر رہے۔اگر وہ بیمار ہوں تو عیادت کرے ،مدد کے محتاج ہوں تو اعانت کرے،خاص طور پر کمزور کا خیال رکھے۔ہدہد کمزور پرندہ ہے،اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر نظر رکھے ہوئے تھے۔یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل میں سے ہے کہ جب بھی کوئی صحابی نظر نہ آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے۔[1]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:25

پارہ نمبر:20 أَمَّنْ خَلَقَ

أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

۱ اپنی بیٹی کے نکاح کی پیشکش کرنے کا حکم

قَالَ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَنۡ أُنكِحَكَ إِحۡدَى ٱبۡنَتَيَّ هَٰتَيۡنِ۔ القصص [27]

”(حضرت شعیب علیہ السلام) نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام سے) کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے تمہارا نکاح کردوں“۔

اس سے ایک مسئلہ واضح ہوا اور وہ یہ کہ جس طرح لڑکے کے لیے شریف، دین دار اور مناسب رشتہ تلاش کیا جاتا ہے، اسی طرح لڑکی کے لیے صالح اور متدین لڑکا تلاش کرنا چاہیے۔ بچی کے سربراہ کا از خود کسی کو اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کی پیشکش کرنا معیوب نہیں۔ جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیٹی سے نکاح کرنے کی پیشکش کی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا صحابیِ رسول، حضرت حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جب وہ مدینہ طیبہ میں وصال فرماگئے اور حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور حضرت حفصہ کا رشتہ پیش کیا، وہ کہنے لگے میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ کچھ دنوں بعد وہ مجھے ملے تو کہا کہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ابھی نکاح نہ کروں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور رشتہ پیش کیا مگر وہ خاموش رہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عثمان سے زیادہ حضرت ابو بکر صدیق کے اس طرزِ عمل سے دکھ پہنچا۔ پھر کچھ دنوں بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کردیا۔

اس کے بعد جب حضرت صدیق اکبر کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جب

حفصہ کا رشتہ آپ نے مجھے پیش کیا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، اس سے آپ کو رنج تو پہنچا ہو گا؟ میں نے کہا، ہاں۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ مجھے جواب دینے سے صرف اور صرف یہ چیز مانع تھی کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت حفصہ کا ذکر کیا تھا اور میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے راز کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت حفصہ کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں انہیں قبول کر لیتا۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکی والوں کی طرف سے کسی کو اس لیے رشتہ کی پیشکش کرنا کہ لڑکا شریف اور دین دار ہے، یہ نہ صرف جائز بلکہ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم اور سلفِ صالحین رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِم کی سنن مبارکہ میں سے ہے۔ اس میں لوگوں کی رسم اور عادت کی قطعی پروا نہیں کرنی چاہیے کہ وہ اسے برے سمجھتے ہیں اور غیرت کے خلاف جانتے ہیں، غیرت تو اس وقت کھانی چاہیے جب کہ لڑکی کو مال کے لالچ اور دنیا کے طمع کی وجہ سے پیش کیا جائے۔[2]

۲ اچھے کام اور عملِ صالح سے جگہ کے متبرک ہونے کا حکم

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام جب اپنے اہل و عیال کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو کوہ طور کے قریب رات کے وقت راستہ بھول گئے۔ سخت سردی پڑ رہی تھی، دیکھا کہ پہاڑ کی جانب سے روشنی آ رہی ہے، سمجھے کہ وہاں کچھ لوگ ہیں جنھوں نے آگ جلا رکھی ہے۔ اس لیے اپنے بیوی بچوں سے کہا کہ تم سب یہیں ٹھہرو، میں راستہ پوچھ کر آتا ہوں یا کم از کم تمہیں گرمی پہنچانے کے لیے آگ کا انگارہ لے کر آتا ہوں، وہاں جب پہنچے تو بات ہی کچھ اور تھی۔ وہ وادی تو تجلی الٰہی کے سبب ایک مبارک وادی بن چکی تھی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: 4005

2 فعلم ان عرض الرجل مولیته علی صالح لصلاحه غیر مستنکر، بل هو من سنة الانبیاء والسلف الصالحین، فلا یبال فیه بالرسم والعادة فی بلادنا، فانهم یستنکرونه ویعدونه خلاف الغیرة۔ نعم! محل الغیرة فیه اذا کان العرض لعنائه طمعا فی حطام الدنیا۔۔۔۔احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:90

نُودِیَ مِن شَـٰطِیِٕ ٱلۡوَادِ ٱلۡأَیۡمَنِ فِی ٱلۡبُقۡعَةِ ٱلۡمُبَـٰرَكَةِ مِنَ ٱلشَّجَرَةِ

أَن یَـٰمُوسَىٰۤ إِنِّیۤ أَنَا ٱللَّهُ رَبُّ ٱلۡعَـٰلَمِینَ ۔ القصص [30]

دائیں وادی کے کنارے پر جو برکت والے علاقے میں واقع تھی، ایک درخت سے آواز آئی کہ: اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں، تمام جہانوں کا پروردگار!

اس آیت سے ایک مسئلہ معلوم ہوا کہ جس جگہ کوئی نیک کام یا عملِ صالح کیا جائے تو وہ جگہ متبرک بن جاتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں وادی طور کو مبارک فرمایا گیا ہے، اس لیے کہ وہاں تجلیاتِ الٰہی پڑ چکی تھی۔[1]

۳ خدمتِ قرآن اور اس کا صلہ

إِنَّ ٱلَّذِی فَرَضَ عَلَیۡكَ ٱلۡقُرۡءَانَ لَرَاۤدُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۔ القصص [85]

"(اے پیغمبر) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ تمہیں دوبارہ اس جگہ پر لا کر رہے گا جو (تمہارے لیے) انسیت کی جگہ ہے"۔

توضیح الآیۃ: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے، جب جحفہ کے قریب اس جگہ پہنچے جہاں سے مکہ مکرمہ کا راستہ الگ ہو جاتا تھا، تو آپ ﷺ کو اپنے وطن سے جدائی کا احساس ہوا، اس موقع پر اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تسلی دی، اور وعدہ فرمایا کہ آپ کو دوبارہ اس سرزمین میں فاتح کی حیثیت سے لایا جائے گا، چنانچہ آٹھ سال کی مدت میں یہ وعدہ پورا ہو گیا اور مکہ مکرمہ میں آپ فاتح بن کر داخل ہوئے۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:2ص:98

2 توضیح القرآن از مفتی محمد تقی عثمانی

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم پر عمل کرنے، اس کی خدمت، نشر و اشاعت اور تبلیغ کرنے سے دشمنوں پر غلبہ بھی نصیب ہوتا ہے اور اس کے ذریعے مدد و نصرت اور عزت و سلامتی بھی ملتی ہے۔[1]

۳ مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی کا حکم

وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَٰهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَآ ۚ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝٨ العنکبوت [8]

"اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہراؤ جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، تو ان کا کہنا مت مانو میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو"۔

آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی جائز نہیں، اگر ایسا ہوتا تو والدین کے معصیت کے زور ڈالنے کے وقت ان کی ماننی جائز ہوتی۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:129

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:132

پارہ نمبر:21 اتْلُ مَا أُوحِيَ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① نعمت کا واسطہ بننے والوں کا شکریہ ادا کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے شکر کے ساتھ اپنے والدین کا شکریہ ادا کرنے کا حکم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۔ لقمان [14]

"تم میرا شکر ادا کرو، اور اپنے ماں باپ کا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کے حصول کا جو واسطہ اور ذریعہ ہو، اس کا شکر بھی اسی طرح مطلوب ہے جیسے منعم اور نعمت عطا کرنے والے کا شکر مطلوب ہے۔ والدین، اساتذہ اور شیخ و مربی بھی اسی میں داخل ہیں۔[1]

② آدابِ معاشرت کے تین احکام

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی وہ نصیحتیں جو انہوں نے اپنے بیٹے سے کیں، بیان کیا ہے، ان میں سے تین نصیحتیں ان آیات میں موجود ہیں:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾ لقمان [18، 19]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:266

”اور لوگوں سے اپنا رخ نہ پھیر اور زمین پر اترا کر نہ چل بیشک اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز آہستہ رکھو بے شک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے“۔

ان آیات میں اخلاق اور آداب معاشرت کے تین اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں:

❶ لوگوں کی ملاقات اور گفتگو میں ان سے منہ پھیر کر گفتگو کرنا، تکبر اور فخر کی علامت ہے اور یہ کبیرہ گناہ اور حرام ہے۔اور اگر فی الحقیقت تکبر اور فخر نہ بھی ہو تو متکبرین کے مشابہ ضرور ہے۔اس لیے ملاقات کے وقت منہ پھیر کر گفتگو کرنا اور منہ بنا کر ملنا تکبر کی علامت ہے اور اخلاق شریفانہ کے خلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وأن تُكلِّم أخَاك وأنتَ مُنْبَسطٌ إليه وجهُكَ، إنَّ ذلك من المعروفِ۔ [1]

اپنے بھائی سے بات کرو، تو کھلے چہرے سے بات کیا کرو، بلاشبہ یہ بھی نیکی ہے۔“

❷ اپنی چال میں میانہ روی ہونی چاہیے۔ نہ بہت دوڑ بھاگ کر چلنا چاہیے جو کہ وقار کے خلاف ہے۔ اور نہ ہی بہت آہستہ چلنا چاہیے، جو یا تو ان تکبر اور تصنع کرنے والوں کی عادت ہے جو لوگوں پر اپنا امتیاز جتانا چاہتے ہیں، یا عورتوں کی عادت ہے جو شرم وحیا کی وجہ سے تیز نہیں چلتیں، یا پھر بیماروں کی عادت ہے جو اس پر مجبور ہوتے ہیں۔ [2]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی إسبال الإزار، رقم الحدیث:4084

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:269

❸ چیخ اور چلا کر بات کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ گدھوں کی آواز سب سے بد تر اور کریہہ ہے اور آواز نہ ہی اتنی پست ہونی چاہیے کہ سننے والے کو اذیت اور تکلیف ہو۔[1]

۳ لے پالک بچے کا حکم

جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ لوگ لے پالک اور منہ بولے بچوں کو حقیقی اولاد کا درجہ دیتے تھے، لیکن اسلام نے اس تصور ورواج کو ختم کر کے یہ اعلان کر دیا کہ منہ بولے بچے حقیقی اولاد نہیں ہو سکتی۔

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَٰهِكُمْ - الأحزاب [4]

”اوراللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا، یہ تمہارے منہ کی بات ہے“۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ لے پالک بچہ مذہب اسلام میں کسی بھی حکم میں حقیقی اولاد کا درجہ نہیں رکھتا، اس لیے گود لینے والے کا اس کے نام کے ساتھ بحیثیت باپ اپنا نام لگانا، وراثت میں اس کا حق دار ہونا اور بالغ یا قریب البلوغ ہونے کے بعد گود لینے والے مرد یا عورت کا اس سے پردہ شرعی نہ کرنا (جب کہ اس بچہ یا بچی سے گود لینے والے مرد یا عورت کے لیے حرمت کا کوئی رشتہ نہ ہو) وغیرہ درست نہ ہوگا۔[2]

البتہ لے پالک کو محض شفقت کی وجہ سے بیٹا کہہ کر پکارنا جائز ہے۔[3]

----------------حواشی اور حوالہ جات----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:270

2 دار الافتاء دار العلوم دیوبند، جواب نمبر:174601

3 احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:291

پارہ نمبر:22 وَمَنْ يَقْنُتْ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

١ سیدھی گفتگو اور اس کے نمایاں اثرات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾ الأحزاب [70، 71]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ اللہ تمہارے فائدے کے لیے تمہارے کام سنوار دے گا، اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کردے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اس نے وہ کامیابی حاصل کرلی جو زبردست کامیابی ہے"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ: جو شخص سیدھی سچی بات کا عادی ہو گا کہ جھوٹ نہ بولے، سوچ سمجھ کر بات کرے، کسی کو فریب نہ دے، دل خراش بات نہ کرے، ایسے شخص کے تمام اعمال درست ہو جائیں گے، چاہے وہ معاش کے ہوں یا عبادات کے۔[1]

٢ نعمتوں پر اطاعت اور معصیت کے اثرات

قوم سبا یمن میں آباد تھی اور کسی زمانے میں وہ اپنے تہذیب و تمدن میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی، ان کی زمینیں بڑی زرخیز تھیں، ان کی سڑکوں کے دونوں طرف پھل دار باغات کے سلسلے دور تک چلے گئے تھے، خوشحالی بھی میسر تھی، اور سیاسی استحکام بھی؛ لیکن رفتہ رفتہ یہ لوگ اپنی عیاشیوں میں ایسے مگن ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو بھول بیٹھے اور شرک کو اپنا مذہب بنالیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس کئی پیغمبر بھیجے، حافظ ابن کثیر کے بیان کے مطابق ان کے پاس یکے

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1

بعد دیگرے تیرہ پیغمبر بھیجے گئے، جنہوں نے اس قوم کو ہر طرح سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر یہ نہ مانے، آخر کار ان پر جو عذاب آیا وہ یہ تھا کہ مآرب کے مقام پر ایک بند تھا جس کے پانی سے ان کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے وہ بند توڑ دیا اور اس طرح پوری بستی کو سیلاب نے گھیر لیا اور سارے باغات تباہ ہو گئے۔[1]

ان کی سزا کی وجہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ذَٰلِكَ جَزَيۡنَٰهُم بِمَا كَفَرُواْۖ وَهَلۡ نُجَٰزِيٓ إِلَّا ٱلۡكَفُورَ ﴿١٧﴾ سبأ [17]

"یہ سزا ہم نے ان کو اس لیے دی کہ انھوں نے ناشکری کی روش اختیار کی تھی، اور ایسی سزا ہم کسی اور کو نہیں، بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں"۔

اس سے ثابت ہوا کہ طاعت کو دنیوی نعمت کے حصول اور معصیت کو اس کے زوال میں دخل ہے۔[2]

③ دعوت و تبلیغ کی روح اور جان

قُلۡ مَن يَرۡزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ قُلِ ٱللَّهُۖ وَإِنَّآ أَوۡ إِيَّاكُمۡ لَعَلَىٰ هُدًى أَوۡ فِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٖ ﴿٢٤﴾ سبأ [24]

"کہو کہ کون ہے جو تمہیں آسمانوں سے اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کہو: وہ اللہ ہے! اور ہم ہوں یا تم، یا تو ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں"۔

توضیح الآیۃ: ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں اور تم شرک میں مبتلا ہو۔ ہم دونوں تو راہ راست پر ہو نہیں سکتے۔ اگر ہم راہ راست پر ہیں تو تم گمراہ ہوا اور اگر تم راہ راست پر ہو تو ہم بھٹکے

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 توضیح القرآن از مفتی محمد تقی عثمانی

2 احکام القرآن للتھانوی ج:3ص:519

ہوئے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ توحید کے ماننے والے اور شرک کرنے والے دونوں راہ حق پر چل رہے ہوں۔ اب تم خود ہی فیصلہ کرو کہ حق پر کون ہے ہم یا تم؟

دلائل کے بعد اگر مخاطب کو کافر اور گمراہ کہا جاتا تو اسے اشتعال ہوتا، اس سے گریز کیا گیا، اور ایسا مشفقانہ عنوان اختیار کیا گیا ہے کہ سنگدل مخالف بھی غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مجادلہ اور بحث و مباحثہ چاہے وہ کسی سے بھی ہو، اس میں ملاطفت اور نرمی کو بہت بڑا دخل ہے بلکہ حقیقت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح اور جان ہے، جس سے بہت سے لوگ غافل ہیں۔ [1]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:3ص:520

پارہ نمبر: 23 وَمَا لِيَ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

1 اہم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے دو اصول

حضرات انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، اس کا تذکرہ اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کیا، آپ نے جو جواب دیا، اسے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ - الصافات [102]

بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

اس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے غایت ادب اور انتہائی عاجزی کو دیکھیے! ایک تو ان شاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے ختم فرما دیا۔ دوسرے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ "آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے" لیکن اس کے بجائے آپ نے فرمایا کہ "آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے" جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ صبر وضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں گا۔ اس طرح آپ نے اس جملے میں فخر و تکبر، خود پسندی اور پندار کے ہر ادنیٰ شائبے کو ختم کر کے اس میں انتہا درجے کی تواضع اور انکسار کا اظہار فرما دیا۔[1]

----------------- حواشی اور حوالہ جات -----------------

[1] تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، روح المعانی للآلوسی

اس سے واضح ہوا کہ: انسان جب کسی بڑے کام کی طرف قدم بڑھائے تو سب سے پہلے اسے اللہ کے حوالے کرے۔

❷ اپنے عمل میں اپنے آپ کو تنہا اور منفرد نہ سمجھے (جس کی وجہ سے وہ عجب میں مبتلا ہو جائے کہ یہ عظیم عمل صرف میں نے کیا ہے) بلکہ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بھی یہ حسن ظن رکھے کہ ایسا عمل کرنے والے دوسرے بھی ہوں گے۔ روح المعانی میں ہے کہ: شاید اسی ان شاء اللہ کہنے اور تواضع کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انھیں قربانی جیسے مشکل ترین کام میں صبر عطا فرمایا تھا۔[1]

② انسانی کمالات کا منتہاء

اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی عبادت کے لیے جدوجہد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَٱذۡكُرۡ عِبَـٰدَنَآ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡحَـٰقَ وَيَعۡقُوبَ أُوْلِي ٱلۡأَيۡدِي وَٱلۡأَبۡصَـٰرِ ﴿٤٥﴾ إِنَّآ أَخۡلَصۡنَـٰهُم بِخَالِصَةٖ ذِكۡرَى ٱلدَّارِ ﴿٤٦﴾ سورة ص [45، 46]

آپ ہمارے بندوں، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا بھی ذکر کیجیے جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے انھیں ایک خاص وصف کے لیے چن لیا تھا، جو (آخرت کے) حقیقی گھر کی یاد تھی۔

توضیح: انبیاء علیہم السلام ہماری اطاعت و بندگی میں بڑی قوت کا مظاہرہ کرتے تھے، دین کی بصیرت اور سمجھ خوب رکھتے تھے اور اللہ نے ان کو ایک خصوصی صفت یہ عطا فرمائی تھی کہ وہ ہر

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:4ص:9،روح المعانی، ج:12ص:124

وقت آخرت کی فکر اور اس کی تیاری میں مصروف رہتے تھے اور اپنی تمام عملی قوتوں اور نظر و فکر کی صلاحیتوں کو اسی کے لیے وقف کیے ہوئے تھے۔ [1]

ان آیات بینات سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

❶ انسان کے کمالات کا منتہاء یہ ہے کہ اس کی قوت و طاقت اللہ رب العزت کی بندگی اور اس کی اطاعت اور دین کی بصیرت حاصل کرنے میں صرف ہو جائے۔ اور ان دونوں قوتوں کا حاصل اللہ کی یاد اور فکرِ آخرت ہے۔ اسی سے انسان کو دوسروں سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ جو آدمی ذکر اللہ اور آخرت کی فکر سے عاری ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ قوت و بصیرت دونوں سے محروم ہے، اور علم و عمل سے خالی ہے، اگرچہ بظاہر بحر العلوم ہی کیوں نہ ہو۔ [2]

❷ فکر آخرت انسان کی فکری اور عملی قوت کو اور زیادہ جِلا بخشتی ہے۔ بعض ملحدین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ فکر آخرت انسان کی قوتوں کو کُند کر دیتی ہے۔ [3]

③ تکلف و تصنع کا حکم

قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ سورة ص [86]

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: میں تم سے اس (اسلام کی دعوت) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔

توضیح الآیۃ: مطلب یہ ہے کہ میں تکلف اور تصنع کی وجہ سے اپنی نبوت و رسالت اور علم و حکمت کا اظہار نہیں کر رہا بلکہ اللہ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر ابی السعود، ج:7ص:230

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:4ص:58

3 احکام القرآن للتھانوی، ج:4ص:58

اس سے واضح ہوا کہ تکلف، بناوٹ اور تصنع شرعاً مذموم ہے۔آج بہت سے لوگ اسی مرض میں مبتلا ہیں۔

تکلف کا معنی ہے ایسی بات دکھانا جو اپنے میں نہ ہو۔لہذا اس سے بچنے کی ضرورت ہے نہ تو باتوں میں تکلف ہو اور نہ ہی کاموں میں تکلف ہو، تکلف سے زندگی گزارنے والا ہر وقت اسی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں اس کی اصلیت ظاہر نہ ہو جائے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصلیت چھپی نہیں رہتی۔

پارہ نمبر:24 فَمَنْ أَظْلَمُ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① دشمن کی دشمنی سے بچنے کا ایک اہم اصول

آل فرعون کا ایک آدمی پوشیدہ طور پر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام پر ایمان لاچکا تھا۔ جب اس نے فرعون کی بات سنی کہ وہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو قتل کرنے کی بات کر رہا ہے تو اس نے بڑی جرات، بہادری اور جوانمردی سے دفاع کیا، حق سمجھایا اور کفر سے باز آنے کی دعوت دی، جب اسے یقین ہوگیا کہ اب دعوتِ حق کی پاداش میں اسے قتل کردیا جائے گا تو اس نے ایک جملہ کہا، جس کی بدولت اللہ نے اسے فرعون جیسے ظالم کے ظلم سے نجات عطا فرمادی:

وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى ٱللَّهِ إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ۔ غافر [44]

”اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے“۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی دشمن کی دشمنی اور اور برے لوگوں کی برائی سے بچنے اور اللہ رب العزت کی مدد و نصرت حاصل کرنے کے لیے ایک اہم سبب تفویض ہے کہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں وہ آپ کو کافی ہوجائے گا۔[1]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:4ص:76

۲ عذاب کو دیکھ لینے کے بعد توبہ کی قبولیت کا حکم

پہلی قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ رسولوں کے دلائل وبراہین کا انکار کرتے رہے لیکن جب عذاب الٰہی نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی، تو وہ اپنی توبہ کا اعلان کرنے لگے۔

فَلَمَّا رَأَوۡاْ بَأۡسَنَا قَالُوٓاْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَحۡدَهُۥ وَكَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهِۦ مُشۡرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمۡ يَكُ يَنفَعُهُمۡ إِيمَٰنُهُمۡ لَمَّا رَأَوۡاْ بَأۡسَنَاۖ سُنَّتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي قَدۡ خَلَتۡ فِي عِبَادِهِۦۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ ٱلۡكَٰفِرُونَ ﴿٨٥﴾ غافر [84، 85]

”پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس وقت کہا کہ: ہم خدائے واحد پر ایمان لے آئے، اور ان سب کا ہم نے انکار کر دیا جن کو ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ لیکن جب ہمارا عذاب انھوں نے دیکھ لیا تھا تو اس کے بعد ان کا ایمان لانا انھیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا، خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہی معمول ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور اس موقع پر کافروں نے سخت نقصان اٹھایا“۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عذاب کو دیکھ لینے کے بعد نہ تو کسی کافر کا ایمان قبول ہوتا ہے اور نہ ہی کسی نافرمان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ العَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ۔[1]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک نزع کا عالم طاری نہ ہو جائے۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] سنن الترمذی، رقم الحدیث: 3537، کتاب الدعوات، باب: إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر

۳ بچوں کو دینی علوم سے روکنے کا حکم

قرآن کریم کی آواز بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں میں اثر کرتی تھی۔ جو سنتا فریفتہ ہو جاتا اس سے روکنے کی تدبیر کفار نے یہ نکالی کہ جب قرآن پڑھا جائے، ادھر کان مت دھرو اور اس قدر شور و غل مچاؤ کہ دوسرے بھی نہ سن سکیں۔[1] حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا کہ جب محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) قرآن پڑھا کریں تو تم ان کے سامنے جا کر چیخ و پکار اور شور و غل کرنے لگ جایا کرو تاکہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجا کر اور بیچ میں طرح طرح کی آوازیں نکال کر قرآن سننے سے لوگوں کو روکنے کی تیاری کرو۔[2]

ان کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لَا تَسۡمَعُواْ لِهَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانِ وَٱلۡغَوۡاْ فِيهِ لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُونَ ﴿٢٦﴾ فصلت [26]

"اور یہ کافر (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: اس قرآن کو سنو ہی نہیں، اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو تاکہ تم ہی غالب رہو"۔

اس آیت کریمہ سے کئی احکام واضح ہوئے:

❶ تلاوت قرآن کے وقت خاموش نہ ہونا اللہ کے دشمن کفار کی عادت ہے۔[3]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر عثمانی

2 (قرطبی)

3 احکام القرآن للتھانوی، ج:4ص:127

❷ جو مجلس قرآن کریم کی تلاوت کے لیے منعقد کی گئی ہو، وہاں تلاوت کو توجہ، دھیان اور یکسوئی سے سننے کی بجائے لہو و لعب اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہنا بدترین عادات میں سے ہے۔[1]

❸ لوگوں کو قرآنی اور دینی علوم سے منع کرنا ایسے ہے جیسے قرآن کریم کو سننے سے منع کرنا۔ اس لیے کہ کافروں کا قرآن کریم سے منع کرنا در اصل اس کے اندر کے علوم سے روکنا تھا کہ کہیں اس کی تعلیمات سے لوگ متاثر ہو کر ایمان قبول نہ کر لیں۔

لہذا ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو مسلمانوں کے بچوں کو دین کے بنیادی علوم کو سیکھنے سے پہلے ایسے اداروں کی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں بچے غیروں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔[2]

----------------حواشی اور حوالہ جات----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:4ص:127

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:4ص:127

پارہ نمبر:25 إِلَيْهِ يُرَدُّ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

① ذکر اللہ سے منہ موڑنے کا انجام بری صحبت

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُۥ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُۥ قَرِينٌ ﴿٣٦﴾ الزخرف [36]

اور جو شخص خدائے رحمن کے ذکر سے اندھا بن جائے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

توضیح الآیۃ: یعنی جو شخص اللہ کی یاد اور قرآن کریم کو چھوڑ کر باطل پرست اور گمراہ لوگوں کی باتوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے تو اس کے اس جرم کی وجہ سے اس پر ایک شیطان خصوصی طور پر مسلط کر دیا جاتا ہے جو دنیا میں بھی اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اسے وسوسوں کے ذریعے نیکیوں سے روک کر برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی جب یہ شخص قبر سے اٹھے گا تو یہ شیطان اس کے ساتھ ساتھ ہوگا یہاں تک کہ دونوں جہنم میں داخل ہو جائیں۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد اور قرآن کریم سے اعراض کا بدلہ دنیا میں یہ ملتا ہے کہ انسان کی صحبت خراب ہو جاتی ہے اور شیاطین، خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے، اس کو بھلائیوں سے دور اور برائیوں کے قریب کرتے رہتے ہیں وہ کام سارے گمراہی کے کرتا ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ بہت اچھا کر رہا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ

”اور تم ان جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تھے، تو اللہ نے انھیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا“۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر القرطبی، ج:16ص:90

اسی کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان خیر اور شر کے امتیاز سے محروم ہو کر زندگی گزارتا ہے اور تباہی میں جا گرتا ہے۔[1]

۲ علم کے باوجود اپنی خواہشات کی پیروی کا حکم

أَفَرَءَيْتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ ٱللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِۦ وَقَلْبِهِۦ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِۦ غِشَٰوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِنۢ بَعْدِ ٱللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾ الجاثية [23]

پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں ڈال دیا ز، اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ اب اللہ کے بعد کون ہے جو اسے راستے پر لائے؟ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے؟

اس آیت نے یہ بتلایا کہ عبادت در حقیقت اطاعت کا نام ہے جو شخص خدا کی اطاعت کے مقابلے میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے وہی اس کا معبود کہلائے گا تو جس شخص کو حلال و حرام اور جائز ناجائز کی پروانہ ہو خدا تعالیٰ نے جس کو حرام کہا ہے وہ اس میں خدا کا حکم ماننے کے بجائے اپنے نفس کی پیروی کرے تو گو وہ اپنے نفس کو زبان سے اپنا معبود نہ کہے مگر حقیقتاً وہی اس کا معبود ہوا۔ اسی لیے حدیث مبارک میں انسان کو درھم و دینار کا بندہ کہا گیا ہے۔[2]

۳ زمانے کو برا بھلا کہنے کا حکم

کافروں کی سوچ اور ان کے نظریہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 احکام القرآن للتھانوی،:4ص:182

2 احکام القرآن للتھانوی،ج:4ص:196،تفسیر معارف القرآن

وَقَالُوا۟ مَا هِىَ إِلَّا حَيَاتُنَا ٱلدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ إِلَّا ٱلدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ الجاثية [24]

”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: جو کچھ زندگی ہے بس یہی ہماری دنیوی زندگی ہے، (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں کوئی اور نہیں، زمانہ ہی ہلاک کر دیتا ہے۔ حالانکہ اس بات کا انھیں کچھ بھی علم نہیں ہے، بس وہمی اندازے لگاتے ہیں“۔

توضیح الایۃ: یعنی کافر کہتے ہیں جو کچھ ہے بس دنیا کی زندگی ہے، اسی زندگی میں ہم مرتے ہیں اور اسی زندگی میں ہم زندہ رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ نہ کوئی زندگی ہے اور نہ کوئی حساب کتاب۔ ہمیں کوئی نہیں مارتا سوائے زمانے کے، یعنی زمانے کے تغیر و تبدل سے ہماری موت واقع ہوتی ہے اور ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے، اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔

کافروں کی یہ بات بالکل غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ زمانے کا تغیر و تبدل اور موت و حیات سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اس سے ایک مسئلہ معلوم ہوا اور وہ یہ کہ زمانے کو برا کہنا درست نہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے آنے والی پریشانیوں اور مصیبتوں کو زمانے اور وقت کے سر پر ڈال دیتے ہیں، اور اپنی زبان سے اس طرح کے الفاظ نکالتے ہے کہ زمانہ خراب ہے، بہت برا وقت ہے، حدیث شریف میں بھی زمانہ اور وقت کو برا کہنے کی مذمت کی گئی ہے، کیوں کہ زمانہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور زمانے کو برا کہنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کو برا کہنے کے مترادف ہے۔ [1]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر 144205201373

پارہ نمبر: 26 حم

أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

① آدابِ مصطفیٰ ﷺ اور اس کی صورتیں

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرۡفَعُوٓاْ أَصۡوَٰتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ ٱلنَّبِيِّ وَلَا تَجۡهَرُواْ لَهُۥ
بِٱلۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ أَن تَحۡبَطَ أَعۡمَٰلُكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَ ۝٢ الحجرات [2]

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

توضیح الآیۃ: اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ جب وہ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں ہوں تو اتنی اونچی آواز سے نہ بولیں کہ ان کی آواز آپ ﷺ کی آواز سے بلند ہو جائے اور آپ ﷺ کو اس طرح نہ پکاریں جس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ بلکہ نہایت مودبانہ طور پر دھیمی آواز میں پکاریں۔ اس لیے کہ آپ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی بھی اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے اور ایسا کرنے والے کے سارے نیک اعمال غیر شعوری طور پر ضائع ہو سکتے ہیں۔

اس آیت میں کئی اہم مسائل ہیں:

❶ قاضی ابو بکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: جس طرح عزت و توقیر آپ ﷺ کی زندگی میں تھی، اسی طرح آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ہے اور جس طرح آپ کی حیات میں آپ کے کلام کی عظمت تھی، اسی طرح بعد وفات کے بھی ہے۔ لہٰذا جس مجلس میں حدیث مبارک

پڑھی جارہی ہو تو اس میں ہر آدمی کے لیے ضروری ہے کہ آوازوں کو بلند کرنے اور بے التفاتی کرنے سے پرہیز کرے۔[1]

❷ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس جاکر آواز بلند کرنے سے بچنا چاہیے۔[2]

❸ علماء کرام چوں کہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، اس لیے اس نسبت کی وجہ سے ان کے سامنے بھی بیٹھ کر آواز بلند کرنا ادب کے خلاف ہے۔[3]

② خبر کی تحقیق کیے بغیر فیصلہ کرنے کا حکم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمۡ فَاسِقُۢ بِنَبَإٖ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوۡمَۢا بِجَهَٰلَةٖ فَتُصۡبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلۡتُمۡ نَٰدِمِينَ ٦ الحجرات [6]

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ"۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کی سچائی ثابت نہ ہو جائے۔[4]

معاشرے میں اکثر لڑائی جھگڑوں کی ابتدا جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ پورے خاندان میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس لیے فیصلہ میں جلد بازی سے بچنا بہت ضروری ہے۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:251

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:251

3 احکام القرآن للتھانوی، ج:251

4 احکام القرآن للجصاص، ص:4:5:278

۳ محبت بھری زندگی گزارنے کے چھ اہم اصول

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٞ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيۡرٗا مِّنۡهُنَّۖ وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُواْ بِٱلۡأَلۡقَٰبِۖ بِئۡسَ ٱلِٱسۡمُ ٱلۡفُسُوقُ بَعۡدَ ٱلۡإِيمَٰنِۚ وَمَن لَّمۡ يَتُبۡ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿١١﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجۡتَنِبُواْ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعۡضَ ٱلظَّنِّ إِثۡمٞۖ وَلَا تَجَسَّسُواْ وَلَا يَغۡتَب بَّعۡضُكُم بَعۡضًاۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمۡ أَن يَأۡكُلَ لَحۡمَ أَخِيهِ مَيۡتٗا فَكَرِهۡتُمُوهُۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٞ رَّحِيمٞ ﴿١٢﴾ الحجرات [11، 12]

ان دو آیات میں کئی اہم آداب کی نشاندھی کی گئی ہے، جن کا لحاظ کر کے ہم پیار و محبت اور صلح وصفائی کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں:

لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ : (کوئی مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے) کسی شخص کی تحقیر وتوہین کے لیے اس کے کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں اس کو تمسخر کہتے ہیں: اور اس کی کئی صورتیں: ❶۔ زبان کے ذریعے ❷۔ ہاتھ اور پاؤں وغیرہ سے نقل اتارنے اور اشارہ کرنے کے ذریعے۔ ❸۔ کسی کا کلام سن کر بطور تحقیر کے ہنسی اڑانے کے ذریعے۔ ❹۔ کسی کے سامنے اس کا اس طرح ذکر کرنا کہ اس سے لوگ ہنس پڑیں، یہ سب چیزیں بنص قرآن حرام ہیں۔[1]

وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ : (اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو) کسی پر عیب لگانا، خفی کلام کے ساتھ، آنکھ کا اشارکرنا، دھکا دینا، مارنا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کے بجائے کہ کسی پر عیب نہ

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر معارف القرآن، احکام القرآن للتھانوی، ج:4ص:772

لگاؤ، یہ فرمایا کہ اپنے آپ پر عیب نہ لگاؤ۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، عیب لگانے والے کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب وہ کسی مسلمان بھائی پر عیب لگا رہا ہے تو درحقیقت وہ اپنے آپ ہی پر عیب لگا رہا ہے، سو اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ دوسروں پر عیب لگائے گا تو عیب سے خالی تو یہ بھی نہیں اور دوسرں کی آنکھیں بھی ہیں اور زبان بھی، پھر اس کے عیوب بھی ظاہر کیے جائیں گے۔

وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَـٰبِ : (اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو) جیسے کسی کو لنگڑا لولا یا اندھا کانا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا وغیرہ۔

لوگوں کو اچھے القاب سے یاد کرنا آپ ﷺ کی پسند ہے

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ آدمی کو ایسے نام و لقب سے ذکر کیا جائے جو اس کو زیادہ پسند ہو۔ اس لیے عرب میں کنیت کا رواج عام تھا اور آپ ﷺ نے بھی اس کو پسند فرمایا۔[1] خود آنحضرت ﷺ نے خاص خاص صحابہ کو کچھ لقب دیئے ہیں۔ صدیق اکبر کو عتیق،[2] اور حضرت عمر کو فاروق و[3] اور حضرت حمزہ کو اسد اللہ،[4] اور خالد بن ولید کو سیف اللہ فرمایا ہے۔[5]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

11 عن حَنْظَلَةَ بْنِ حِذْيَم قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ أَنْ يُدْعَى الرَّجُلُ بِأَحَبِّ أَسْمَائِهِ إِلَيْهِ، وَأَحَبِّ كُنَاهُ... الأدب المفرد، رقم الحديث: 819

2 سنن الترمذی، رقم الحديث: 3679، بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ وَاسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ وَلَقَبُهُ عَتِيقٌ

3 سنن الترمذی، رقم الحديث: 3681، بَابٌ فِي مَنَاقِبِ أَبِي حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رضی اللہ عنہ

4 جامع الأصول في أحاديث الرسول، ج: 12، ص: 297، بيان حَمْزَة بن عبد المطّلب

5 سنن الترمذی، رقم الحديث: 3846، بَابُ مَنَاقِبِ خَالِدِ بْنِ الوَلِيدِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ :(بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو کیوں کہ بعض گمان تو گناہ ہیں) جہاں تک ہوسکے مومن کے تمام اقوال و اعمال کے متعلق اچھا گمان رکھنے کی کوشش کرو، کیوں کہ بعض گمان بالکل بے بنیاد اور گناہ ہوتے ہیں۔ اس لیے زیادہ گمان سے بچو، کیوں کہ اس کا نتیجہ ایسے گمانوں میں پڑجاتا ہے جو گناہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ ۔[1]

"گمان سے بچو کیوں کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔"

اسے سب سے جھوٹی بات اس لیے کہا گیا کہ جب کوئی شخص کسی کے متعلق بدگمانی کرتا ہے تو وہ دلیل کے بغیر فیصلہ کرلیتا ہے کہ وہ شخص ایسا ایسا ہے۔ چوں کہ حقیقت میں وہ شخص ایسا نہیں ہوتا، اس لیے اس کے اس فیصلے کو جھوٹ کہا گیا ہے اور سب سے بڑا جھوٹ اس لیے کہ اس نے بغیر کسی قرینے یا سبب کے محض نفس یا شیطان کے کہنے پر اسے برا قرار دے دیا، جب کہ اس کے برے ہونے کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔

جس طرح دوسرے مسلمان کے حق میں بدگمانی کرنا منع ہے اسی طرح خود مسلمان کو بھی لازم ہے کہ ایسے ہر کام سے اجتناب کرے جس سے کسی کے دل میں اس کے متعلق برا گمان پیدا ہو۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ اپنی بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکلے تو آپ کو دو انصاری ملے، انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آگے بڑھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: تَعَالَيَا إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيّ "ادھر آؤ! یہ (میری بیوی) صفیہ بنت حیی ہے۔" انھوں نے کہا: "سبحان اللہ! یا رسول اللہ! (بھلا ہم آپ کے متعلق برا گمان کرسکتے ہیں۔)" آپ ﷺ نے فرمایا:

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 سنن الترمذی، رقم الحدیث: 1988، بَابُ مَا جَاءَ فِي ظَنِّ السُّوءِ

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُلْقِيَ فِي أَنْفُسِكُمَا شَيْئًا

”شیطان انسان میں خون کے پھرنے کی طرح پھرتا ہے، تو میں ڈرا کر وہ تمہارے دلں میں کوئی بات ڈال دے“۔[1]

وَلَا تَجَسَّسُواْ: (اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو) خفیہ باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرنا برے گمان کالازمی نتیجہ ہے، کیونکہ آدمی جب کسی کے متعلق دل میں برا گمان قائم کرلیتا ہے تو اسے ثابت کرنے کے لیے اس کی جاسوسی کرتا ہے اور اس کے ان عیوب کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے، تاکہ یہ اپنے گمان کو سچا ثابت کرسکے۔ یہ ایمانی مودت و اخوت کے سراسر خلاف ہے۔ جب مسلمان بھائی کے ان عیوب پر بھی پردہ ڈالنے کا حکم ہے جو آدمی کو معلوم ہوں تو ان عیوب کی ٹوہ لگانا کیسے جائز ہوسکتا ہے جو محض اس کے گمان کی پیداوار ہیں، یا جن پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے۔

اصلاح کی نیت سے جاسوسی کرنے کا حکم

بعض اوقات آدمی اصلاح کی نیت سے جاسوسی کرتا ہے، مگر یہ اصلاح کا طریقہ نہیں، اس سے باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے اور خرابی بڑھتی ہے، اصلاح نہیں ہوتی۔ اس کا ثبوت حدیث صحیح میں موجود ہے:

عَنْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ، أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ» فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: «كَلِمَةٌ سَمِعَهَا مُعَاوِيَةُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ نَفَعَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِهَا۔[2]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 الصحیح للبخاری، الاعتکاف، باب زیارۃ المراۃ زوجھا فی اعتکافه، رقم الحدیث: 2038)

2 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4888، بَابٌ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّجَسُّسِ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے "جب تم لوگوں کے عیبوں کے پیچھے پڑو گے تو انھیں خراب کر دو گے" یا فرمایا: "قریب ہے کہ تم انھیں خراب کر دے۔"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ ایسی بات تھی جو معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کے ساتھ نفع دیا (کہ انھوں نے بیس سال شام کی امارت کی اور رعایا کو ان سے کوئی خاص شکایت پیدا نہیں ہوئی۔)"

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ : (اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو) اس جملے میں غیبت سے کئی طریقوں سے شدید نفرت دلائی گئی ہے۔ ❶۔ غیبت کے ساتھ کسی بھائی کی عزت و آبرو تار تار کرنے کو انسان کا گوشت کھانا قرار دیا۔ ❷۔ پھر کسی دوسرے انسان کا نہیں، بلکہ اپنے بھائی کا اور وہ بھی زندہ کا نہیں بلکہ مردہ بھائی کا۔ ❸۔ پھر ایسی شدید قابل نفرت چیز سے محبت کرنے کی عار دلاتے ہوئے پوچھا کہ اتنی گندی اور مکروہ چیز سے تو شدید نفرت ہونی چاہیے تھی، تو کیا تم نفرت کے بجائے اس سے محبت کرتے ہو؟ ❹۔ پھر "احدکم" فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایک یہ پسند کرتا ہے؟ مطلب یہ کہ لاکھوں کروڑوں میں سے کوئی ایک بھی یہ پسند نہیں کرے گا تو تم میں سے کوئی ایک یہ کام کیوں کرے۔ ❺۔ اگر تمہارے سامنے مردہ بھائی کا گوشت پیش کیا جائے تو یقیناً تم اس سے نفرت کرو گے۔

واضح رہے کہ غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے ساتھ تشبیہ اس لیے دی ہے کہ جس طرح مردہ اپنا گوشت کھانے سے کسی کو ہٹا نہیں سکتا اسی طرح جس کی غیبت کی جا رہی ہے وہ پاس موجود نہ ہونے کی وجہ سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسے سننا بھی حرام ہے، کیونکہ سننے والا بھی غیبت میں برابر کا شریک ہے، اگر وہ خاموش رہ کر تائید نہ کرے تو غیبت کرنے والے کو اس کام کی جرأت ہو ہی نہیں سکتی۔ دونوں ہی اپنے مردہ بھائی کے گوشت سے لذت حاصل کر رہے ہیں، ایک غیبت کر کے اور دوسرا اسے سن کر۔ اس لیے غیبت سننے سے بھی بہت پرہیز کرنا چاہیے۔ بلکہ اپنے مسلم بھائی کی عزت کا دفاع کرتے ہوئے غیبت کرنے والے کو اس سے منع کرنا چاہیے۔

پارہ نمبر:27 قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

① اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنے کی تاکید

فَفِرُّوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ ۔ الذاریات [50]

"سو تم سب اللہ کی طرف بھاگو"۔

توضیح الایۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ: 1۔ معصیت سے اطاعت کی طرف بھاگو۔ 2۔ گناہوں کو چھوڑ کر توبہ کے ذریعے اللہ کی طرف بھاگو۔ 3۔ نفس و شیطان معاصی کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور بہکانے والے ہیں تم ان سے بھاگ کر اللہ کی طرف پناہ لو تو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالیں گے۔ 4۔ جہالت سے علم کی طرف جاؤ۔ 5۔ ناشکری سے شکر کی طرف جاؤ۔ 6۔ غیر اللہ سے اللہ کی طرف جاؤ جو مطلوب ہے۔ 7۔ سستی کو چھوڑو اور چستی کی طرف قدم بڑھاؤ۔[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ کی طرف بھاگنے کا کہہ کر اشارہ کر دیا گیا کہ اللہ رب العزت کی طرف توجہ خوب شوق کے ساتھ ہونی چاہیے۔[2]

② اہل اللہ کی اولاد، والدین کے ساتھ

وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَٱتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَٰنٍ أَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَآ أَلَتۡنَٰهُم مِّنۡ عَمَلِهِم مِّن شَيۡءٍ ۔الطور [21]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 الاکلیل فی استنباط التاویل للعلامۃ جلال الدین السیوطی، ص:247،تفسیر القرطبی، ج:17ص:54

2 تفسیر بیان القرآن، ج:3ص:464

”اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہے تو ان کی اولاد کو ہم انہی کے ساتھ شامل کر دیں گے، اور ان کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے“۔

توضیح الآیۃ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے، اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔[1]

اس سے واضح ہوا کہ نیک و صالح آباء و اجداد کی برکت سے ان کی اولاد کو فائدہ پہنچے گا اور عمل میں کم ہونے کے باوجود اپنے آباء و اجداد کے درجے میں پہنچا دیے جائیں گے۔

اسی طرح اگر اولاد نیک و صالح اور دین دار ہے تو ان کی وجہ سے والدین کو بھی فائدہ پہنچے گا۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ - رضی اللہ عنہما - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلی اللہ علیہ وسلم -: "إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ ذُرِّيَّةَ الْمُؤْمِنِ فِي دَرَجَتِهِ, وَإِنْ كَانُوا دُونَهُ فِي الْعَمَلِ, لِتَقَرَّ بِهِمْ عَيْنُهُ، ثُمَّ قَرَأَ: {وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ} قَالَ: مَا نَقَصْنَا الْآبَاءَ بِمَا أَعْطَيْنَا الْبَنِينَ.... الجامع الصحيح للسنن والمسانيد، ج:21ص: 328، مجمع الزوائد، رقم الحديث: 11369، صفة الجنة للمقدسي، الرقم: 178، جامع الأحاديث، الرقم: 7069

تحقيق الاسناد: ذكره الالباني في سلسلة الأحاديث الصحيحة، الرقم: 2490

2 هَذَا فَضْلُهُ تَعَالَى عَلَى الْأَبْنَاءِ بِبَرَكَةِ عَمَلِ الْآبَاءِ، وَأَمَّا فَضْلُهُ عَلَى الْآبَاءِ بِبَرَكَةِ دُعَاءِ الأبناء.... تفسير ابن كثير، ج: 7ص: 433

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -ﷺ-: "إِنَّ اللهَ- عز وجل - لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ أَنَّى لِي هَذِهِ؟ , فَيَقُولُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ ـ[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ایک نیک بندے کا جنت میں درجہ بلند فرمادے گا، تو وہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میرا یہ درجہ کس وجہ سے بلند کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمہارے لیے تمہارے بیٹے کے بخشش طلب کرنے کی وجہ سے"۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ اولاد کو دین پڑھائیں اور دین کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں، یہ دنیا میں آپ کی نیک نامی کا سبب ہوگی اور آخرت میں بخشش و نجات کا۔

۳ دل کی غفلت اور اس کا علاج

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ ٱللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ ٱلْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ ٱلْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَٰسِقُونَ ﴿١٦﴾ الحديد [16]

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، کیا ان کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور جو حق اترا ہے اس کے لیے پسیج جائیں؟ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جن کو

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

[1] مسند احمد،رقم الحديث: 10611سنن ابن ماجه،رقم الحديث: 3660،الجامع الصحيح للسنن والمسانيد،ج:2ص:132

تحقيق الاسناد: إسناده حسن من أجل عاصم بن أبي النجود- وهو ابن بهدلة-. وباقي رجاله ثقات رجال الصحيح۔۔۔حاشيةمسنداحمد،تحت،10611،وانظر صَحِيح الْجَامِع:1617،الصَّحِيحَة:1598

پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر ایک لمبی مدت گزر گئی، اور ان کے دل سخت ہو گئے، اور (آج) ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں؟

توضیح الآیۃ: یعنی وقت آگیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں۔ اور نرم ہو کر گڑگڑانے لگیں۔[1] ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کی آیات سن کر دل نرم ہو جائے اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے فوراً نصیحت کا اثر قبول کرے، کیونکہ ایمان والوں کی یہی شان ہوتی ہے، جیسا کہ فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔[2]"

مومن تو وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ خشوع اختیار کرنا ضروری ہے اور دل کی سختی لمبی غفلت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کا علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔[3]

خشوع سے مراد یہ ہے کہ ذکر اللہ اور قرآن کریم کے سننے اور تلاوت کے لیے دل نرم ہو، وعظ و نصیحت کے اثر کو قبول کرے اور اطاعت کے جذبہ سے سرشار ہو اور سستی و کمزوری کو راہ نہ دے۔[4]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 تفسیر عثمانی

2 الانفال،8:2

3 تفسیر بیان القرآن،ج:3ص:512

4 تَلِینَ عِنْدَ الذِّکْرِ وَالْمَوْعِظَۃِ وَسَمَاعِ الْقُرْآنِ فَتَفْھَمَہُ وتنقادُ لَہُ وَتَسْمَعَ لَہُ وَتُطِیعَہُ...تفسیر ابن کثیر،ج:8ص:19

پارہ نمبر:28 قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

① ظہار اور اس کا حکم

وَٱلَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمۡ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُواْ فَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٖ
مِّن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّاۚ ذَٰلِكُمۡ تُوعَظُونَ بِهِۦۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ ٣
فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ مِن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّاۖ فَمَن لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ
فَإِطۡعَامُ سِتِّينَ مِسۡكِينٗاۚ ذَٰلِكَ لِتُؤۡمِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۚ وَتِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِۗ
وَلِلۡكَٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٤ المجادلة [3، 4]

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر انھوں نے جو کچھ کہا ہے، اس سے رجوع کرتے ہیں، تو ان کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ وہ (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے وہ بات جس کی تمھیں نصیحت کی جا رہی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ پھر جس شخص کو غلام میسر نہ ہو، اس کے ذمے دو متواتر مہینوں کے روزے ہیں، قبل اس کے کہ وہ (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پھر جس کو اس کی بھی استطاعت نہ ہو اس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ان آیات میں ظہار اور اس کے احکام بیان کیے گئے ہیں:

شریعت کی اصطلاح میں ظہار یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ، ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں۔ ایسا کہنا بہت بری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَّا هُنَّ أُمَّهَٰتِهِمۡۖ إِنۡ أُمَّهَٰتُهُمۡ إِلَّا ٱلَّٰٓـِٔي وَلَدۡنَهُمۡۚ ، یعنی ان کے اس

بیہودہ کلام کی وجہ سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے پیدا ہوا ہے، پھر فرمایا
وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا، یعنی ان کا یہ قول جھوٹ بھی ہے کہ خلاف واقع بیوی کو
ماں کہہ رہا ہے اور منکر یعنی گناہ بھی ہے۔[1]

ظہار کا شرعی حکم یہ ہے کہ بیوی وقتی طور پر خاوند کے لیے حرام ہو جاتی ہے، جب تک وہ کفارہ ادا نہ کرے اس وقت تک میاں بیوی والے تعلقات قائم کرنا حرام ہے۔

ظہار کا کفارہ

ظہار کے کفارہ میں قرآن کریم نے تین چیزیں بتائی ہیں، ان میں سے جس کی بھی قدرت ہو وہ ادا کرنا چاہیے۔

غلام آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ساٹھ دن لگاتار روزے رکھے اور اگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے روزوں پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس صدقۃ الفطر کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دیدے۔[2]

۲ جمعہ کی اذان کے بعد دنیا میں لگے رہنے کا حکم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلۡبَيۡعَۚ ذَٰلِكُمۡ خَيۡرٞ لَّكُمۡ إِن كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ٩ الجمعة [9]

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو"۔

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 الفتاوی الھندیۃ، ج:1ص:505،بیروت: دار الفکر

2 احکام القرآن للتھانوی، ج:5ص:20

اس آیت سے معلوم ہوا کہ: جمعہ کی اذان کے بعد جمعہ کی سعی کرنا واجب ہے۔ اس وقت خرید و فروخت کرنا، سونا، کسی سے باتوں میں مشغول ہونا، گھر کے کام کاج کرنا، یا گھر میں رہ کر تلاوت یا صلوۃ التسبیح وغیرہ میں مشغول ہونا جائز نہیں ہے اور ایسا کرنے والا مکروہِ تحریمی کا مرتکب ہو گا۔

صرف کھانے کے مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کھانے کی طرف رغبت اتنی غالب ہو کہ نماز کے دوران دل اس میں لگا رہنے کا اندیشہ ہو اور نماز سے فراغت تک کھانا بے لذت ہو جانے کا خطرہ ہو تو کھانا کھایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ خطبہ جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اس کے علاوہ جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہیں وہ کیے جا سکتے ہیں، جیسے غسل کرنا، وضو کرنا، لباس پہننا وغیرہ لیکن قصداً ان کاموں کو اذان تک موخر نہ کرنا چاہیے۔[1] واضح رہے اذان سے مراد اذان اول ہے۔[2]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 فتاویٰ عثمانی، ج:1 ص:532، کتاب الصلوۃ، از شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی

وفی تنویر الابصار (ووجب سعی إلیها وترك البیع بالاذان الاول) وفی الشامیة تحت (قوله وترك البیع) اراد به کل عمل ینافی السعی وخصه اتباعا للایة

و فی الدر المختار مع الرد، ج:2 ص:163 سَمِعَ النِّدَاءَ وَهُوَ يَأْكُلُ تَرَكَهُ إنْ خَافَ فَوْتَ جُمُعَةٍ أَوْ مَكْتُوبَةٍ لَا جَمَاعَةٍ رُسْتَاقِيٌّ.

وفی الشامیة: وَالْأَكْلُ أَيْ الَّذِي تَمِيلُ إلَيْهِ نَفْسُهُ وَيَخَافُ ذَهَابَ لَذَّتِهِ عُذْرٌ فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ كَمَا مَرَّ فِي بَابِهَا لَكِنْ يُشْكِلُ مَا مَرَّ مِنْ وُجُوبِ السَّعْيِ إلَى الْجُمُعَةِ بِالْأَذَانِ الْأَوَّلِ وَتَرْكِ الْبَيْعِ وَلَوْ مَاشِيًا وَالْمُرَادُ بِهِ كُلُّ عَمَلٍ يُنَافِي السَّعْيَ فَتَأَمَّلْ

وفی تقریرات الرافعی بتقیید ما مر بما هنا یندفع الاشکال وذلك لان حضور الاکل المذکور حیث کان عذرا فی سقوط واجب الجماعة لشغل بال المصلی یکون عذرا فی سقوط واجب السعی اذ لا فرق بین واجب وواجب بخلاف ما اذا خاف فوت الجمعة او الوقت لفوات الفرض لا لواجب انتهی۔

2 (وَيَجِبُ السَّعْيُ وَتَرْكُ الْبَيْعِ بِالْأَذَانِ الْأَوَّلِ)۔۔۔ مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج:1 ص:171

۳ اہل وعیال کی تربیت کے اہتمام کا حکم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٞ شِدَادٞ ۔ التحريم [6]

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر سخت کڑے مزاج کے فرشتے مقرر ہیں۔

توضیح الایۃ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: {قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا} قَالَ: «عَلِّمُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمُ الْخَيْرَ ۔[1]

"اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال جہنم کی آگ سے بچانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو خیر کی تعلیم دو"۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے اوپر اپنی اولاد اور اہل و عیال کی دینی تعلیم و تربیت، اچھے اخلاق اور دینی وشرعی آداب کو سکھانا لازم ہے۔[2]

تربیت کی اقسام

تربیت دو قسم کی ہوتی ہے: (1) ظاہری تربیت، (2) باطنی تربیت۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: 3826

2 هَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ عَلَيْنَا تَعْلِيمَ أَوْلَادِنَا وَأَهْلِينَا الدين وَالْخَيْرَ وَمَا لَا يُسْتَغْنَى عَنْهُ مِنَ الْآدَابِ...احكام القرآن للجصاص، ج:5 ص:365

ظاہری اعتبار سے تربیت میں اولاد کی ظاہری وضع قطع، لباس، کھانے، پینے، نشست وبرخاست، میل جول، اس کے دوست واحباب اور تعلقات ومشاغل کو نظر میں رکھنا، اس کے تعلیمی کوائف کی جانکاری اور بلوغت کے بعد ان کے ذرائع معاش کی نگرانی وغیرہ امور شامل ہیں، یہ تمام امور اولاد کی ظاہری تربیت میں داخل ہیں۔ اور باطنی تربیت سے مراد اُن کے عقیدہ اور اخلاق کی اصلاح ودرستگی ہے۔ اولاد کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی تربیت والدین کے ذمہ داری ہے۔

بچوں کی تربیت میں والدین کا کردار

بچوں کی تعلیم وتربیت اور کردار سازی میں سب سے اہم اور مرکزی کردار ماں باپ کا ہوتا ہے، بچوں کے لیے سب سے پہلی تربیت گاماں باپ کی گود اور ان کا ماحول ہے، بچے کی ذات و صفات میں غیر محسوس طریقے پر ماں باپ کے اقوال و افعال اور اچھے برے اعمال کا مکمل اثر پڑتا ہے؛ چنانچہ والدین اگر دیندار، پرہیز گار، امانت دار، وفا شعار، ضرورت مندوں کے خدمت گار، ضعیفوں کی غمگسار، غریبوں، مفلسوں کے غمخوار، تعلیمی اعتبار لحاظ سے باوقار اور تربیت یافتہ ہوں تو بچوں کے اندر بھی وہ تمام عمدہ صفات، اعلیٰ اخلاق، اچھے اطوار بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کر جاتے ہیں اور بچہ ایک باکمال، عالی صفات، اور مکارمِ اخلاق کا نمونہ بن کر معاشرے اور سماج میں آفتاب و ماہتاب کے مانند چمکتا، دمکتا ہے، اور اپنی پرنور شعاؤں سے بے شمار انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے۔

والدین عام طور پر اس معاملہ میں غفلت کا شکار رہتے ہیں اور سمجھانے پر کہتے ہیں کہ بچے بڑے ہوکے خود ہی سمجھ جائیں گے، جب کہ یہ سوچ انتہائی غلط اور فرسودہ ہے، اس لیے کہ بچپن کی عادات پچپن تک جاتی ہیں، اگر ان کی بچپن میں تربیت نہ ہوئی تو بڑے ہوکے ایسی اولاد سر درد کا سبب اور ذریعہ بن جائے گی۔

بچپن میں بچوں کی انتہائی نگہداشت اور بیدار مغزی سے ان کی اچھی تربیت کرنا، والدین کی ذمہ داری بھی ہے اور اولاد کا حق بھی ہے۔

اولاد کی تربیت کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے بھی ہوتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ۔[1]

ترجمہ: ”کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھے آداب سکھا دے“۔

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

[1] سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الوَلَدِ، رقم الحدیث: 1952

پارہ نمبر:29 تَبَارَكَ الَّذِي

أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

① نماز کے خشوع کا حکم

مؤمنین صالحین کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک اہم، پہلی اور بڑی صفت یہ بتائی ہے:

ٱلَّذِينَ هُمۡ عَلَىٰ صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُونَ ﴿٢٣﴾ المعارج [23]

"وہ لوگ جو اپنی نماز پر ہمیشہ سے قائم ہیں"۔

توضیح الایۃ: امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابوالخیر سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت عقبہ بن عامر سے اس آیت کا مطلب پوچھا کہ کیا اس کی مراد یہ ہے کہ جو ہمیشہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ جو اول سے آخر نماز تک اپنی نماز کی طرف متوجہ رہے، داہنے بائیں آگے پیچھے التفات نہ کرے۔[1]

اس آیت سے واضح ہوا کہ: نماز کا خشوع اور یکسوئی ایک مستقل عمل ہے، جس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضور قلب حاصل کرنے اور وسوسوں کو دور کرنے میں سجدہ گاہ پر نظر قائم رکھنے کو بڑا اثر آفریں دخل ہے۔[2]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَبُو الْخَيْرِ: سَأَلْنَا عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، عَنْ قَوْلِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: {الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلاتِهِمْ دَائِمُونَ} [المعارج: 23] أَهُمُ الَّذِينَ يُصَلُّونَ أَبَدًا؟ قَالَ: لَا وَلَكِنَّهُ إِذَا صَلَّى لَمْ يَلْتَفِتْ عَنْ يَمِينِهِ، وَلا عَنْ شِمَالِهِ، وَلا خَلْفِهِ... شرح السنة للبغوی، ج:3ص:253،

2 تفسیر مظهری، ج:10ص:66

۲ مشکلات و مصائب میں کرنے کا کام

حضرت نوح علیہ السلام نے مختلف اسلوب سے اپنی قوم کو دعوت دی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ فرماتے ہیں:

فَقُلْتُ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّـٰتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَـٰرًا ﴿١٢﴾ نوح [10-12]

"پس میں نے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔ اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا، اور تمہاری خاطر نہریں مہیا کر دے گا"۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ: مصائب و مشکلات، تنگ دستی و پریشانی میں اگر استغفار کی کثرت کی جائے تو اللہ تعالیٰ تنگ دستی کو ختم کر دیتے ہیں اور مشکلات کو دور کر دیتے ہیں۔[1]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ، جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ-[2]

جو شخص استغفار کو لازم پکڑ لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتے ہیں، ہر غم سے اسے نجات دے دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں، جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

۳ مساجد میں دنیا کی باتیں کرنے کا حکم

وَأَنَّ ٱلْمَسَـٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ الجن [18]

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:5ص:94

2 سنن ابی داؤ،رقم الحدیث:1518،بَابٌ فِي الِاسْتِغْفَارِ

اور مسجدیں اللہ (کی عبادت) کے لیے ہیں، اس لیے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ: مسجد میں دنیاوی گفتگو اور کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز مساجد کو عبادت کے علاوہ دیگر معاملات مثلاً خرید و فروخت، خصومات اور جھگڑوں کے نمٹانے، حدود قائم کرنے وغیرہ امور سے پاک رکھنا واجب ہے۔[1]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:5:ص94

پارہ نمبر:30 عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

1 مالی نعمتوں کا شکر

لِّنُخْرِجَ بِهِۦ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ النبأ [15]

تاکہ اس (پانی) سے غلہ اور دوسری سبزیاں بھی اگائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا مقامِ احسان میں ذکر فرمایا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر شکر کیا جائے اور شکر یہ ہے کہ ان نعمتوں میں سے صدقہ دیا جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مالی نعمت کا شکر "صدقہ" قرار دیا ہے۔[1]

زمین سے جو غلہ نکلتا ہے اس کی زکوۃ کو عشر کہتے ہیں۔ عشر کے باب میں کوئی حد مقرر نہیں ہے، پیداوار کم ہو یا زیادہ، دونوں صورتوں میں پیداوار پر عشر لازم ہو گا۔ پھر اگر وہ زمین سال کے اکثر حصے میں قدرتی آبی وسائل (بارش، ندی، چشمہ وغیرہ) سے سیراب کی جائے تو اس میں عشر یعنی کل پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہو گا، اور اگر وہ زمین مصنوعی آب رسانی کے آلات و وسائل مثلاً: ٹیوب ویل یا خریدے ہوئے پانی سے سیراب کی جائے تو اس میں نصف عشر یعنی کل پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہو گا۔

واضح رہے کہ کھیتی کی تیاری میں جو اخراجات ہوتے ہیں، مثلاً: آب رسانی، مزدوری، کھاد

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:5ص:101

وغیرہ انہیں آمدنی سے منہا نہیں کیا جائے گا، بلکہ مجموعی پیداوار میں سے عشر نکالنا ضروری ہو گا۔[1]

۲ ناجائز طریقے سے مال جمع کرنے کی مذمت

جن کرتوتوں کی وجہ سے لوگ پریشان ہوتے ہیں، ان میں سے ایک میراث کو ناجائز کھانا بھی ہے:

وَتَأْكُلُونَ ٱلتُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ ۔ الفجر [19]

"اور میراث کا مال سمیٹ سمیٹ کر کھا جاتے ہو"۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ: اس میں ناجائز طریقہ سے مال کو جمع کرنے کی مذمت ہے۔[2]

۳ تمام شرور و فتن سے بچنے کے زریں اصول

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ ٱلنَّاسِ ﴿٢﴾ إِلَٰهِ ٱلنَّاسِ ﴿٣﴾ مِن شَرِّ ٱلْوَسْوَاسِ ٱلْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ ٱلَّذِى يُوَسْوِسُ فِى صُدُورِ ٱلنَّاسِ ﴿٥﴾ مِنَ ٱلْجِنَّةِ وَٱلنَّاسِ ﴿٦﴾ الناس [1-6]

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شر کی دو قسمیں ہیں۔ایک داخلی اور دوسرے خارجی۔داخلی شر سے مراد وہ تمام معاصی ہیں جن کی وجہ سے انسان پر پریشانیاں اور مصائب آتے

------------------حواشی اور حوالہ جات------------------

1 وَمِنْهَا أَنْ يَكُونَ الْخَارِجُ مِنَ الْأَرْضِ مِمَّا يُقْصَدُ بِزِرَاعَتِهِ نَمَاءُ الْأَرْضِ وَتُسْتَغَلُّ الْأَرْضُ بِهِ عَادَةً فَلَا عُشْرَ فِي الْحَطَبِ وَالْحَشِيشِ وَالْقَصَبِ الْفَارِسِيِّ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ لَا تُسْتَنْمَى بِهَا الْأَرْضِ وَلَا تُسْتَغَلُّ بِهَا عَادَةً؛ لِأَنَّ الْأَرْضَ لَا تَنْمُو بِهَا بَلْ تَفْسُدُ فَلَمْ تَكُنْ نَمَاءَ الْأَرْضِ حَتَّى قَالُوا فِي الْأَرْضِ: إذَا اتَّخَذَهَا مُقَصَّبَةً وَفِي شَجَرِهِ الْخِلَافُ، الَّتِي تُقْطَعُ فِي كُلِّ ثَلَاثِ سِنِينَ، أَوْ أَرْبَعِ سِنِينَ أَنَّهُ يَجِبُ فِيهَا الْعُشْرُ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ غَلَّةٌ وَافِرَةٌ۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج:2ص:58، [فَصْلٌ شَرَائِطُ فَرْضِيَّةِ زَكَاةِ الزُّرُوعِ]

2 الاکلیل فی استنباط التاویل، ص:288

ہیں اور خارجی شر سے مراد وہ شرور ہیں جو کسی غیر کی طرف سے ظلماً کیا جائے جیسے سحر اور حسد وغیرہ۔

سورۃ الناس ذاتی شرور سے پناہ مانگنے پر مشتمل ہے جب کہ سورۃ الفلق خارجی شرور سے پناہ طلب کرنے کے لیے ہے۔

شیطان کے شر سے حفاظت کے دس طریقے

شیاطین کے شر سے حفاظت اور ان کے فتنوں سے مدافعت اور جس استعاذہ کا اس سورت میں حکم دیا گیا ہے، اس کے مختلف طریقے قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے جنہیں "حرز" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

❶ حرز اول: شیطان سے حفاظت کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی کوئی شیطانی وسوسہ پیدا ہو تو تعوذ پڑھ لیا جائے۔

❷ حرز ثانی: سورۃ الفلق اور الناس کی تلاوت۔ شیاطین کے شر سے حفاظت اور اس کے دفع میں یہ سورتیں عجیب تاثیر رکھتی ہیں

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جس نے یہ دونوں سورتیں، سورۃ الاخلاص کے ساتھ روزانہ صبح اور شام میں تین تین مرتبہ پڑھ لیں اسے ہر چیز سے کفایت حاصل ہو جائے گی۔

❸ حرز ثالث: آیت الکرسی کی تلاوت۔ رات کو سوتے ہوئے اس کی تلاوت کر لی جائے تو اللہ کی طرف سے ایک محافظ فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے اور صبح تک کوئی شیطان اس کے قریب نہیں آتا۔

❹ حرز رابع: سورۃ البقرہ کی تلاوت۔ جس گھر میں اس کی تلاوت ہو، اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

❺ حرز خامس: سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں رات میں پڑھ لیں۔ یہ کافی ہو جائیں گی۔

❻ حرز ساوس: سورۃ المومن کی ابتدائی آیات: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے سورۃ المومن کی ابتدائی آیات "الیہ المصیر" تک اور آیت الکرسی صبح کے وقت پڑھیں تو شام تک ان کی وجہ سے حفاظت میں رہے گا اور اگر شام کے وقت پڑھیں تو صبح تک حفاظت میں رہے گا۔

❼ حرز سابع: 100 مرتبہ: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک و لہ الحمد و ھو علی کل شیء قدیر کا ورد کرنا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے روزانہ سو مرتبہ مذکورہ بالا کلمہ پڑھا: لا الہ الا اللہ الی شی قدیر۔ اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور سو نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی اور سو گناہ نامہ اعمال سے مٹا دیئے جائیں گے اور یہ کلمات اس کے واسطے اس روز شام تک شیطان سے حفاظت اور ڈھال ہو جائیں گے اور کوئی آدمی اس سے افضل اعمال والا نہیں ہو گا سوائے اس شخص کے جس نے ان مذکورہ تمام اعمال سے زیادہ کئے ہوں۔ یہ ایک بہت عظیم کلمہ ہے جس کا فائدہ بہت زیادہ اور اس کا کرنا بہت آسان ہے۔ جس کے لیے اللہ آسان فرما دے۔

❽ حرز ثامن، تمام مذکورہ بالا حرز سے بڑھ کر حرز و حفاظت کثرت ذکر اللہ ہے۔ ترمذی شریف میں حارث اشعری (رض) کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العالمین نے حضرت یحییٰ بن زکریا (علیہما السلام) کو پانچ باتوں کا حکم فرمایا آگے ان کی تفصیل ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ: اور یہ حکم دیا کہ اللہ کا ذکر کیا کرو۔

کیوں کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص ہے اس کے تعاقب میں اس کا دشمن تیز رفتاری سے آرہا ہے (اب اس کے پاس جان بچانے کی کوئی صورت نہیں) اچانک یہ ایک مضبوط قلعہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس میں داخل ہو کر اپنے آپ کو دشمن سے محفوظ کر لیتا ہے ایسے ہی بندہ اپنے آپ کو شیطان سے محفوظ نہیں کر سکتا سوائے ذکر اللہ کے (الحدیث)۔

٩ حرز تاسع: وضو اور نماز کا اہتمام۔ ان کے ذریعہ سے بھی شیطان اثرات سے حفاظت ہوتی ہے۔ خصوصاً غصہ اور شہوانی جذبات کے ہیجان کے وقت کیونکہ یہ بھی قلب انسانی میں آگ کی طرح بھڑکنے والے جذبات ہیں

١٠ حرز عاشر: چار چیزوں سے اجتناب۔ (1) فضول اور ناجائز نظر سے۔ (2) فضول اور بلاضرورت گفتگو اور کلام سے۔ (3) بلاضرور اور زائد از ضرورت کھانے سے۔ (4) بلاضرورت لوگوں سے میل جول اور تعلقات سے۔ شیطان انہی چار راستوں سے انسان کے قلب و دماغ اور اس کی عزت و آبرو پر مسلط ہو کر اس سے اپنے مقاصد پورے کرتا ہے۔ تمام فتنوں کا سرچشمہ بدنظری ہے۔[1]

-----------------حواشی اور حوالہ جات-----------------

1 احکام القرآن للتھانوی، ج:5ص:117-119